سید عبدالفتاح اشرف علی گلشن آبادی

اور

قصیدۂ بُردہ

(ایک تحقیقی مطالعہ)

ڈاکٹر سعیدہ پٹیل

انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

۹۲ دادابھائی نوروجی روڈ، ممبئی - ۴۰۰۰۰۱

سید عبد الفتاح اشرف علی گلشن آبادی

اور

قصیدۂ بُردہ

(ایک تحقیقی مطالعہ)

52078
108/072
0015600

ڈاکٹر سعیدہ پٹیل
اسسٹنٹ ڈائرکٹر، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

Symbol of Secularism & National Integration

یہ کتاب اردو سافٹ ویئر ان پیج پروفیشنل کے اوریجنل ورژن میں لکھی گئی ہے۔

انجمن اسلام پبلی کیشنز سیریز (جدید):۶

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

Sayed Abdul Fattah Ashraf Gulshan Abadi
Aur Qasida e Burda Ka Urdu Tarjuma
by : Dr. Saeeda Akhter Patel

کتاب کا نام : سید عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی اور قصیدۂ بردہ کا اردو ترجمہ

مصنف : ڈاکٹر سعیدہ اختر پٹیل

ناشر : انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی
انجمن اسلام کمپلیکس، دادا بھائی نوروجی روڈ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۱

سال اشاعت : دسمبر ۲۰۱۵ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰

صفحات : ۲۰۰

کمپوٹر گرافی : ایم۔غالب، ممبئی

قیمت : ۲۰۰/روپے

سرِ ورق وطباعت : غزالی ٹائپ سیٹرس اینڈ پرنٹرس، ممبئی، موبائل:9820822052

ملنے کے پتے:

۱۔ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی، فون نمبر:022-226551353
انجمن اسلام کمپلیکس، دادا بھائی نوروجی روڈ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۱

۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
مکتبہ جامعہ ممبئی، علی گڑھ، دہلی، ممبئی، فون نمبر:022-23774857

۳۔ نئی کتاب پبلشر، اوکھلا مین، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵،
فون نمبر:011-65416661

2016 - Rs. 200/-

انتساب

ماہر علوم دینیات، فیض رسانِ ہنر مندانِ

یکے از بانیانِ انجمنِ اسلام

جناب ناخدا محمد علی روگھے (مرحوم)

کے نام

جن کی فیض رسانی سے عبدالفتاح گلشن آبادی کے علاوہ

کئی مصنفین کی تصانیف منصۂ شہود پر آئیں

اور

والد محترم

گوہر خاں صاحب (مرحوم) کے نام

یہ ادبی کاوش انھیں کے علم و اقبال کا صدقہ ہے۔

Rekhta Download.com

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ، کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

(اکرام احمد لطفؔ)

RekhtaDownload.com

فہرست

ابتدائیہ : ڈاکٹر ظہیر قاضی		۸
پیش لفظ : پروفیسر عبدالستار دلوی		۱۰
پیش گفتار : ڈاکٹر سعیدہ پٹیل		۱۴
۱۔	سلسلہ نسب اور حالات زندگی	۲۱
۲۔	ازدواج و اولاد	۳۵
۳۔	ثقافتی وسماجی سرگرمیاں	۳۹
۴۔	سیر و سیاحت کا شوق	۴۴
۵۔	سید عبدالفتاح کی تالیف وتصانیف	۴۷
۶۔	مشرقی زبانوں میں نعتیہ شاعری	۷۲
۷۔	قصیدہ بردہ کی شرحیں اور ترجمے	۸۳

RekhtaDownload.com

۸۔	قصیدہ بردہ، امام بوصیری اور محمد اقبال	۹۲
۹۔	قصیدہ بردہ پڑھنے کے آداب وفوائد	۹۸
۱۰۔	اردو میں نعتیہ شاعری	۱۰۲
۱۱۔	شرح قصیدہ بردہ شریف	۱۰۵
۱۲۔	دیوان اشرف الاشعار	۱۱۳
۱۳۔	(الف) عربی قصیدہ بردہ	۱۴۶
	(ب) اردو ترجمہ	۱۶۲
۱۴۔	حواشی	۱۸۴
۱۵۔	اشارات	۱۹۳
۱۶۔	کتابیات	۱۹۴
۱۷۔	رسالے واخبارات	۱۹۷

RekhtaDownload.com

بسم الله الرحمن الرحيم

ابتدائیہ

انجمن اسلام مسلمانانِ ممبئی کا ممتاز تعلیمی ادارہ ہے جو جسٹس بدرالدین طیب جی اور ناخدا محمد علی روگھے (دوّم) کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ یہ ادارہ ۱۸۷۴ء میں قائم کیا گیا۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمانانِ ممبئی میں ثانوی تعلیم کا فروغ تھا۔ اس کے ابتدائی زمانے میں جو بزرگ اس سے متعلق و منسلک تھے ان میں جسٹس بدرالدین طیب جی اور ناخدا محمد علی روگھے کے علاوہ منشی غلام محمد اور محی الدین دلوی (اولین دو سیکریٹری) قمرالدین طیب جی اور عبداللہ دھرمسی کے نام بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ عبداللہ دھرمسی کے زمانے میں ۱۸۹۷ء میں جب کہ وہ انجمن اسلام کے سیکریٹری تھے۔ انجمن اسلام ہائی اسکول کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ پُرشکوہ عمارت اپنے اسلاف کی انتھک کوششوں اور تعلیمی مقصد سے لگن کی ایک مثالی یادگار ہے جسے ممبئی میں Heritage Building ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انجمن اسلام نے اپنی شاندار تاریخی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بعد کے زمانے میں بھی اسے قائم رکھا اور عصری ضروریات کے ساتھ اپنے کاموں میں توسیع کی۔ لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر بھی توجہ کی، پھر اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جو مسلمانوں کی لسانی، ادبی اور تہذیبی شناخت کی ایک علامت ہے۔ اس سلسلے میں

انجمن اسلام کے سابق صدر جناب سیف طیب جی اور ان کے رفقا ڈاکٹر محمد بذل الرحمن، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار اور پروفیسر آصف اے اے فیضی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ماضی میں ادارے کے ڈائرکٹر پروفیسر نجیب اشرف ندوی، ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی اور ادارے کے رفیق جناب عبدالرزاق قریشی کی اعلیٰ تحقیقی کاوشیں علمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کا شرف انجمن اسلام کو حاصل رہا ہے۔ جس کی علمی دنیا نے بڑی پذیرائی کی اور یہ کتابیں حوالہ جاتی کتابوں کے طور پر مختلف یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی ہیں۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جدید مطبوعات کے تحت اردو ادب کے نامور محقق اور تنقید نگار پروفیسر عبدالستار دلوی کی علمی کاوشیں (۱) اقبال اور ممبئی (۲) مقالات پروفیسر نجیب اشرف ندوی (۳) مقالات پروفیسر محمد ابراہیم ڈار (۴) جناب عبدالرزاق قریشی کی مبادیات تحقیق (۵) مولانا عبدالرحمان پرواز اصلاحی کی شاہ وجیہہ الدین گجراتی ادبی دنیا کے سامنے آئیں اور پسند کی گئی ہیں، اور اب عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی اور قصیدہ بردہ کا اردو ترجمہ اس ادارے کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر سعیدہ پٹیل کی کتاب پیش کرتے ہوئے انجمن اسلام خوشی محسوس کر رہا ہے۔ عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی ناسک شہر کے ایک جید عالم اور صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ شاعری بھی کرتے تھے خصوصاً نعت گوئی کے بہت شوقین تھے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں الفنسٹن کالج ممبئی میں اردو، فارسی اور عربی کے پہلے پروفیسر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ ممبئی اور دھولیہ کی عدالتوں میں مفتی بھی تھے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے اور ممبئی شہر کے انیسویں صدی کے گمنام ادیبوں اور شاعروں کے کلام کی بازیافت سے اردو ادب میں گرانقدر اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ انجمن اسلام آئندہ بھی علمی، ادبی اور تحقیقی کتابیں پیش کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر ظہیر قاضی
(صدر انجمنِ اسلام، ممبئی)

ممبئی
یکم ستمبر ۲۰۱۵ء

پیش لفظ

اردو ادب میں دکنی عہد کی قدیم ترین مثنویوں میں نعت گوئی کا رواج پایا جاتا ہے۔ نویں صدی ہجری/ پندرھویں صدی عیسویں میں فخر الدین نظامی نے اپنی مثنوی قدم راؤ پدم راؤ میں نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ دسویں صدی ہجری، سولھویں صدی عیسوی میں گجرات کے مشہور صوفی شاعر خوب محمد چشتی نے خوب ترنگ اور اس کی شرح امواج خوبی تصنیف کی۔ اس کے بعد مثنویوں میں حمد کے ساتھ ساتھ نعت اور منقبت لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گیارہویں صدی ہجری میں ملا وجہی اور ملا نصرتی کے علاوہ سبھی شعرا نے نعت نگاری پر قلم اٹھایا۔ یہ سلسلہ عہد قدیم سے انیسویں صدی کے اواخر تک جاری ہے اور تقریباً ہر شاعر نے چاہے وہ غزل گو رہا ہو چاہے مثنوی نگار، نعت گوئی کے دلکش نمونے یادگار چھوڑے ہیں۔

ممبئی، مغربی ہندوستان میں انیسویں صدی میں اردو کا ایک سرسبز و شاداب مرکز رہا ہے۔ جوں جوں ممبئی شہر ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا، شمال، دکن اور اطراف و جوانب کے علما اور ادب دوست، تاجر، فقیہہ اور عالم ممبئی منتقل ہوتے گئے۔ انیسویں صدی میں اہل کوکن کی طرح گجرات سے منتقل ہوئی میمن برادری اور مغربی مہاراشٹر کے لوگ بھی یہاں منتقل ہو کر علم و ادب اور زبان و ادب کی تدریس میں حصہ لینے لگے۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ممبئی کا ایک ممتاز علمی

108/072
00/5600

اور ادبی گھرانا مقبہ خاندان رہا ہے۔ مقبہ خاندان کے جدِ اعلیٰ محمد ابراہیم مقبہ نے یہاں پر باقاعدہ اردو کی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے ''تعلیم نامہ'' کے ذریعے اردو کی نصابی کتابیں تصنیف کیں، جنھیں اردو کی اولین نصابی کتابیں کہا جاسکتا ہے۔ مہاراشٹر کا ایک قدیم شہر جو ناسک کے نام سے مشہور ومعروف ہے، وہاں بھی تصوف وسلوک کا چراغ عہد شاہجہانی سے جل رہا تھا۔ اس زمانے میں آج کا ناسک، گلشن آباد کہلاتا تھا اور شاہ صادقؒ یہاں کے عظیم روحانی پیشوا تھے جن کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اس خاندان کے افراد انیسویں صدی کے نصف اول میں علم کی شمع لے کر ممبئی منتقل ہوئے۔ ان میں سے ایک مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی بھی تھے۔ انھوں نے یہاں پر اردو زبان وادب کی بڑی خدمت کی۔ انھوں نے شاعری بھی کی اور انیسویں صدی کے نصف دوم میں پہلی بار باضابطہ طور پر مخصوص نظریۂ تعلیم کے تحت درجہ بدرجہ اردو کی نصابی کتابیں مرتب کر کے منشی محمد ابراہیم مقبہ کی درسی کتابوں کی روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ سات کتابیں تھیں اور اس کا تذکرہ تاریخ ادبیات پاکستان میں بھی ملتا ہے، جو پنجاب سے شائع ہوئی تھی۔

عبدالفتاح گلشن آبادی، جیسا کہ ذکر ہوا، ناسک کے ایک جید عالم اور صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور اشرف تخلص کرتے تھے۔ ان میں نعت گوئی کی غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ممبئی میں الفنسٹن کالج جو اس زمانے میں الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ کہلاتا تھا، وہاں وہ اردو، فارسی اور عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ مفتی بھی تھے۔ شہر دھولیہ اور شہر ممبئی کی عدالتوں میں انھوں نے مفتی کے فرائض بھی انجام دیے۔ ان کے فتوے آج بھی ممبئی گزیٹر اور انگریزی کی ممبئی سے متعلق تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ اشرفؔ گلشن آبادی نے مشہور شاعر اور عالم امام شرف الدین محمد سعید بوصیری کے مشہور ومعروف قصیدۂ بردہ کا آسان اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا جو ان کے دیوان ''اشرف الاشعار'' میں شامل ہے۔ امام بوصیری مصر کے رہنے والے تھے اور ان کا مزار مصر کے حسین وجمیل ساحلی شہر اسکندریہ میں موجود ہے۔ راقم کو ان کے مزار کی زیارت کا تین بار شرف حاصل رہا ہے۔ پیش نظر کتاب کا مقصد عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی کی شخصیت اور ان کے مشہور قصیدے کے ترجمے کو قارئین

سے متعارف کرانا ہے۔ ممبئی کے قدیم مصنف، شاعر اور علما آج بھی پردۂ اخفا میں ہیں جنھیں پردۂ شہود پر لانے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

امام اشرف الدین محمد سعید بوصیری نے کئی قصیدے لکھے ہیں۔ لیکن قصیدۂ بردہ کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی اور اس کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ عربی ادب کے مشہور مورخ پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن نے بھی اپنی تصنیف بہ زبان انگریزی ''عربی ادب کی تاریخ'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ایک اردو ترجمے کا ذکر مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی نے بھی کیا ہے۔ اردو میں اس کے متعدد ترجمے گجرات، دکن اور شمالی ہند میں ہوئے ہیں۔ امام بوصیری کے اس قصیدے میں رسول پاک کا کردار نعت گوئی کا روایتی کردار نہیں بلکہ اس میں رسول اللہؐ سے بے پناہ عشق کا اظہار ہے، حضورؐ سے تخاطب میں تقدس، گناہوں کی بخشش، صحت یابی کی خواہش، دنیاوی حاجات بر لانے کی التجا جیسے جذبات لسانی تعملات، نئی نئی شعری تراکیب کے ساتھ موجود ہیں۔ اس قصیدے میں انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیت اور قابلیت کو استعمال کیا ہے۔ دانشوروں اور عالموں نے اس قصیدے کی تراکیب، تلازمے، استعارات اور تشبیہات سے متعلق حقائق دریافت کر کے شائع کرنا اپنا فرض سمجھا۔ اس قصیدے اور امام بوصیری کی ذات سے تجسس آج بھی ہے اور آئندہ بھی برقرار رہے گا۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ریسرچ اسکالر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر، ڈاکٹر سعیدہ پٹیل نے جو اعلیٰ اور متوازن تحقیقی مزاج رکھتی ہیں، انھوں نے عبدالفتاح گلشن آبادی کے تعلق سے تحقیق کی۔ ان سے متعلق بکھرے ہوئے مواد کو اکٹھا کیا۔ کئی بار ناسک (گلشن آباد) اور مختلف شہروں کی لائبریریوں میں ان کے تراجم کردہ قصیدے اور ان کی تحریر کردہ کتابوں کو تلاش کیا۔ ان کی علمی، ادبی، سماجی و ثقافتی زندگی اور مصروفیتوں کا بھی جائزہ لیا جسے ہم اس کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر سعیدہ پٹیل ایک مخلص، علمی اور تحقیقی مزاج داں خاتون ہیں جنھوں نے اس سے قبل اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کے لیے ''مہاراشٹر کی اردو مثنویوں'' پر ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ان میں تحقیق کی بدرجۂ اتم صلاحیتیں موجود ہیں۔ ان کے کئی تحقیقی مقالے اس سے قبل شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا تحقیقی

ذوق وشوق اور زیادہ تیز ہوگا اور وہ اردو تحقیق اور مجموعی طور پر زبان وادب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرسکیں گی۔ میں انھیں ان کے اس تحقیقی کارنامے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں جو انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے تحقیقی پروگرام کی ایک اہم پیش کش ہے۔ میں اس پیش کش کے لیے انجمن اسلام کے صدر ڈاکٹر ظہیر قاضی اور دیگر اراکین منتظمہ کا بھی شکر گذار ہوں جن کی علم پروری کی وجہ سے یہ کتاب شائع ہورہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب علمی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۴۷ء سے علم وادب کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہاں قدیم شعروادب وجدید ادب کا پرکشش ذخیرہ ہے جو طالب علموں اور محققوں کے ذوق کی تشنگی کو سیراب کرتا ہے۔ اس ادارہ نے گذشتہ برسوں میں کئی اہم مطبوعات قارئین ادب کی نذر کی ہیں۔ یہ کتاب مولوی عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی اور قصیدہ بردہ کا اردو ترجمہ اس ادارہ کی ریسرچ اسکالر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی محققانہ کاوش کا نتیجہ ہے۔ اشرف گلشن آبادی ممبئی شہر کے معروف الفسٹن کالج کے پہلے اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ انجمن اسلام سے بھی ان کا تعلق رہا ہے۔ ان کی شخصیت اور کلام پر یہ کتاب پیش کرتے ہوئے انجمن اسلام خوشی محسوس کررہا ہے۔ اس کتاب کی تصحیح کے لیے میں ڈاکٹر سعیدہ پٹیل (مصنف) اور لائبریرین سید طاہر عباس کا شکرگزار ہوں۔

پروفیسر عبدالستار دلوی
ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
ممبئی

ممبئی
یکم ستمبر ۲۰۱۵ء

پیش گفتار

امام شرف الدین محمد سعید بوصیریؒ نے رسول ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ ایسا تصنیف کیا جسے بارگاہ رسول اللہ میں شرف قبولیت اور عوام میں بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس قصیدے کا سنہ تصنیف ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی ہے۔ آج سات سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود اس کی اثر انگیزی، لطافت اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس قصیدے کی متعدد شرحیں عربی، فارسی، اردو، لاطینی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ دنیا کی جس زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا اس کے مترجم شارحین نے قصیدے کے مفہوم کو اتنا واضح کر دیا کہ پڑھنے والا امام بوصیریؒ کے مقصد اور وہ عشق رسولؐ (جو ان کے دل میں موجزن تھا) کو آسانی سے سمجھ لے۔ اس کے تلازمے اور استعارے ہی قاری کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ اس کے بعض ترجموں کو بعض پر فوقیت حاصل ہے کئی نسخوں کی اشاعت میں بڑے اہتمام سے بھی کام لیا گیا ہے۔ انھیں مترجموں میں ایک نام مولوی عبدالفتاح اشرفؔ گلشن آبادی کا بھی ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں انھوں نے قصیدہ بردہ کا ترجمہ آسان اردو میں کیا۔ اشرفؔ گلشن آبادی کے حالات اور ان کا ترجمہ اس مقالے کا اہم موضوع ہے۔ تحقیق ایک ایسی مسلسل جستجو ہے جو نہ صرف گم شدہ تخلیقات کی بازیافت کرتی

ہے بلکہ ان کی قدر و قیمت بھی معین کرتی ہے۔ یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ تحقیق میں کسی ایک امر کی دریافت کرنے کے لیے کئی کئی کتابوں کا مطالعہ اور متعدد لائبریریوں میں مواد تلاش کرنا ہوتا ہے۔ فراہمی مواد میں دشواری اور تلاش و جستجو کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا ایک محقق کی کوشش ہوتی ہے۔ اشرف علی گلشن آبادی کے متعلق یہ چند سطور حرف آخر نہیں بلکہ ایک بحث کا آغاز ہیں۔ اشرف علی گلشن آبادی ممبئی کے رہنے والے نہیں تھے مگر یہاں انھوں نے روزگار حاصل کیا۔ بود و باش بھی اختیار کی اور یہیں وہ پیوند زمین بھی ہوئے۔ مجھے ان کے ترجمے کردہ ''قصیدہ بردہ'' کا حوالہ ''بمبئی میں اردو'' از ڈاکٹر میمونہ دلوی، ''کتب خانہ جامع مسجد کے مخطوطات'' از حامد اللہ ندوی، اور شرف الدین ساحل صاحب کے مضمون میں ملا۔ اشرف علی کا دیوان جس میں مذکورہ ترجمہ شامل ہے اور جو مطبع حیدری بمبئی سے ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ تلاش و بسیار کے باوجود یہ دیوان ممبئی کی کسی بھی لائبریری میں نہ مل سکا۔ انھیں دنوں اتفاق سے میرا علی گڈھ اور رامپور جانا ہوا۔ ان کا وہ دیوان جس کی مجھے تلاش تھی رضا لائبریری رامپور میں مل گیا۔ اس کی فوٹو کاپی وہیں سے حاصل کی گئی ہے۔ اب دوسرا مرحلہ تھا کہ شاعر کے حالات اور سوانح حاصل کیے جائیں کیوں کہ کسی بھی تخلیق یا تصنیف کے علمی مطالعے کے لیے مصنف یا شاعر کی سیرت، سوانح اور شعور و شخصیت کا مطالعہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اشرف علی کے حالات تین تذکروں کے علاوہ ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں بھی ملے۔ جن کی تعداد چالیس سے زیادہ لکھی ہوئی ملتی ہے، لیکن میری نظر سے ان کی سولہ کتابیں گزریں۔ جن میں ان کی تعلیم، الفنسٹن کالج ممبئی کی تقرری وغیرہ پر اجمالی بیان ملتا ہے۔

اشرف علی کا پورا نام سید عبدالفتاح گلشن آبادی ہے۔ ان کی عرفیت اور تخلص ''اشرف علی'' ہے۔ اس کی وضاحت اس قطعہ تاریخ سے ہوتی ہے جو اشرف علی کے نعتیہ دیوان کے لیے سید اولاد حسین ابن مولوی سید قطب الدین تجلی نے کہا تھا۔ یہ گیارہ اشعار کا قطعہ ہے جس کا ایک شعر اس طرح ہے۔

اس نظم کا ناظم وہ فصیح الفصحا ہے　　اشرف علی نام اور تخلص بھی ہے اشرف

اشرف کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں ناسک شہر کے مشہور عالم، ولی اور صوفی سید محمد صادق شاہ الحسینی سے ملتا ہے۔ یہ ایک عالم فاضل اور صوفی خاندان تھا جن کا تعلق سادات حسینی سے تھا۔ اس لیے ان کا خاندان شروع سے ہی پیرزادہ کہلانے لگا۔ مولوی عبدالفتاح نے ایک مذہبی اور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ وہ اوائل عمری سے علم و فنون کے شوقین رہے۔ اپنے اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے ناسک سے ممبئی اور گجرات تک کا سفر طے کیا۔ ۱۸۳۶ء میں حصول علم سے فارغ ہوکر اردو فارسی کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ میاں محمد منظور صاحب اپنے قطعہ تاریخ میں کچھ یوں اشارہ کرتے ہیں:

میر اشرف علی حبیب شریف — یہاں بے شبہ شیخ علماء ہیں
عربی، اردو اور انگریزی — فارسی دکنی میں وہ یکتا ہیں
مولوی سیداور مدرّس ہیں — شایق ان کے امیر و امراء ہیں
کہا دیوان انھوں نے نعت میں وہ — جس کے قائل بلیغ و فضلا ہیں

۱۹۴۸ء میں عربی و فارسی کے نائب مترجم کی حیثیت سے ان کا تقرر سپریم کورٹ ممبئی میں ہوا۔ ان کی مختلف تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ناسک میں کم اور ممبئی میں طویل عرصے تک مقیم رہے۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۸ء تک تیرہ سال مفتی گری کے عہدے پر دھولیہ کی عدالت میں رہے۔ پھر ان کا تقرر الفنسٹن کالج ممبئی میں عربی و فارسی کے پروفیسر کے عہدے پر ہوا۔ وہ کثیر التصانیف تھے۔ درسی علوم کے علاوہ انھوں نے جغرافیہ، تاریخ، مذہبی علوم اور ابتدائی انگریزی کی مشق کے لیے بے شمار کتابیں لکھیں۔ وہ ایک شاعر بھی تھے۔ مذہبی کتابوں کے تراجم کے علاوہ انھوں نے تقریباً اسی ہزار اشعار کہے، جو بدقسمتی سے خرد برد کا شکار ہو چکے ہیں اور آج ان کی چند تصانیف ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان کی درسی کتابیں کچھ کاما لائبریری ممبئی اور کچھ کریمی لائبریری، ممبئی میں ہیں۔ ان کا مشہور و معروف نعتیہ دیوان رضا لائبریری رامپور میں ہے۔ اس دیوان میں ۷۲ قصیدے رسول ﷺ کی مدح میں ہیں۔ اردو شاعری اپنی ابتدا سے ہی اسلامی تصورات و عقائد کی ترجمان بنی۔ توحید رسالت، نعت پیمبر۔ عشق

خداوندی۔ حمد اور عشق رسول پاکؐ وغیرہ اردو شاعری کا موضوع رہے ہیں۔ مختلف اصناف سخن میں اسلامی عقائد، اسلام اور اسلامی فکر پر مختصر اور طویل نظمیں لکھنا شعرا کا دلچسپ مشغلہ رہا ہے اور یہ تسلسل تا حال برقرار رہے۔ اس قصیدے کی مقبولیت، اثر انگیزی اور عشق رسول پاکؐ نے انھیں اس ترجمے کی طرف راغب کیا۔ شاعر کے ہر شعر سے والہانہ عقیدت اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں ادب و احترام کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس دیوان کے خاتمے میں صرف وہ یہی کہتے ہیں کہ انھوں نے نعتیہ دیوان ''مولود خوانوں'' اور ''مشام جان سامعین کو معطر'' کرنے کے لیے لکھا ہے۔ وہ تا حیات علم حدیث فقہ، تصنیف و تالیف، شاعری اور درس و تدریس میں مقبول رہے ان کی یہ خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اس مقالے کی تیاری میں حتی المقدور اشرف گلشن آبادی کے حالات زندگی کو مختلف ذرائع سے حاصل کر کے قلم بند کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں شہر ناسک کا سفر بھی درپیش رہا۔ جہاں اس ناچیز کی ملاقات گلشن آبادی کے خاندان کے چند افراد سے ہوئی۔ ان کی بوسیدہ حویلی کو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا اور جد امجد کے مزار مبارک کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ رسول ﷺ کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ محبت و احترام رسول اکرم ﷺ کی تعلیم بھی دی ہے۔ سورہ احزاب کی یہ آیت پڑھیے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾'' (سورہ احزاب۔ آیت نمبر ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان (پیغمبر) پر، اے ایمان والو! تم حضور پر سلام بھیجا کرو۔

مولوی عبد الفتاح نے اپنے دیوان کی تاریخ مطبوعہ کہتے ہوئے شاید اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

ملک ارواح بلبل ہیں خدا ہے مدح خواں اس کا   حدیث نعت اس محبوب کی خالق کو بھائی ہے
یقین نعتِ محمد ہے پسند خالق اکبر   عجب توصیف محبوبی کی اس جوہر نے لائی ہے

ہم قدیم عربی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ عہد جاہلی کی شاعری زبان وفن کے بلند مقام پر نظر آتی ہے۔ اس میں نحوی قواعد کا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ نابغہ ذبیانی، کعب بن زہیر، الحطیۃ اور طفیل الغنوی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے اشعار میں بہتر الفاظ کا استعمال اور شعر کو جمالیات سے آراستہ کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب اسلام کا دور آیا تو عربی زبان وادب کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی نے عقل وفکر کو کچھ اس طرح متاثر کیا کہ اس زبان کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اسلام نے ذہنی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں ایک عام انقلاب پیدا کردیا عہد نبوت اور عہد صحابہ کی شاعری جاہلیت اور اسلام دونوں کی زندگی کا مجموعہ بن گئی یہی وجہ ہے کہ اس دور کے شعرا کو ''مخضر مین'' کہا جاتا ہے۔ شعرا دربار نبویؐ میں اب بھی مقبول تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد نبویؐ میں منبر رکھا جاتا تھا۔ کفار مکہ کی ہجو کا دندان شکن جواب دینے کے لیے ارشاد ہوتا تھا اور رسول اللہ ﷺ خوش ہوکر فرماتے ''ھجاھم حسّان فشفی و اشتفخا'' (یہ پوری حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے) یعنی حسان نے ان کی ہجو کر کے میرے دل کو بھی اور اپنے دل کو بھی ٹھنڈک پہنچائی۔ اور ایک دوسرا قصہ بھی جو عربی ادب کے ایک معمولی طالب علم کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ کعب بن مالک جیسے گستاخ اور اسلام اور آنحضرتؐ کے شدید مخالف شاعر کی جس کا خون حضور پاکؐ نے بدر (یعنی جان سے مار دینے کی اجازت۔ دیکھئے صحیح مسلم اور صحیح بخاری شریف) کردیا تھا محض ایک مدحیہ اور معذرتی قصیدے کی بدولت شاعر کی خطا معاف کر کے جان بخش دی اور فرط انبساط میں اپنی چادر مبارک اتار کر شاعر کو اوڑھادی جس کی وجہ سے اس قصیدے کا نام ''قصیدۃ البردہ'' یعنی چادر والا قصیدہ پڑ گیا۔ بعد میں اسی کی بنیاد پر کئی شعرا نے رسول پاک ﷺ کی تعریف وتوصیف میں کئی قصیدے کہے۔ جن میں امام بوصیریؒ اور احمد شوقی کے قصیدے لازوال شہرت کے مالک ہیں۔ ایران اور ہندوستان کے شعرا نے رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت، بے انتہا عقیدت اور آپ ﷺ کی خاطر سرفروشی وجاں نثاری کے جذبے کے تحت اپنی شاعری میں ایک نئی صنف سخن وضع کرلی جس کو نعت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور جو صرف آنحضرت

ﷺ کے لیے مخصوص ہے جس طرح 'حمد' صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے لیے مخصوص ہے۔ سیرت رسول ﷺ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ حضور کا حسن اخلاق، انسان دوستی، رحم دلی، سخاوت، انصاف اور انسانیت پر مبنی تعلیم اور آپ کا اسوۂ حسنہ ایسے دو اوصاف ہیں جن کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی کی تحریر کردہ کتاب ''سُبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد'' کم و بیش سات سو برس پہلے لکھی گئی ہے اور کچھ سال پہلے دس جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب چار ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اور رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ قصیدہ بردہ شریف ایک صوفی عاشق رسولؐ کے قلب مضطرب سے نکلی ہوئی ایک پر کیف صدا ہے جسے مصنف کی زبان سے خود رسول پاک ﷺ نے سماعت فرمایا اور پسند کیا۔ اور ان اشعار کو قبول عام نصیب ہوا۔ ان اشعار کا تاثر ان کی روانی اور خلوص میں پوشیدہ ہے۔ اس قصیدے کو ہر دور میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ بعض بزرگان اکرام فرماتے ہیں کہ اگر اس مبارک قصیدے کو بہ آداب و احترام تلاوت کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر پڑھنے والا اس کے لاجواب فیوض و برکات سے مستفید ہوگا۔

پروفیسر عبدالستار دلوی میرے شفیق و محترم استاد ہیں، جب وہ ممبئی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو تھے انھیں کے ماتحت میں نے JRF کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی اور اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا۔ انجمن اسلام میں وہ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہیں۔ قصیدہ بردہ (اردو ترجمہ) جو ممبئی سے عبدالفتاح گلشن آبادی نے شائع کیا تھا۔ اس کی تحقیق و تدوین ناچیز کے سپرد کی گئی۔ یہ مقالہ بھی انھیں کے زیر نگرانی لکھا گیا ہے۔ پروفیسر دلوی نے ایک عمدہ طریقۂ تحقیق سکھایا جس کی وجہ سے مجھ میں لکھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ مفید مشوروں اور رہنمائی کے لئے میں دل کی گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

جواہر لال نہرو لائبریری، ممبئی یونیورسٹی، کریمی لائبریری ممبئی، کاما اورینٹل لائبریری ممبئی، رضا لائبریری رامپور، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد، ٹرسٹیان بڑی درگاہ ناسک اور انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے تمام اسٹاف اور

اعلیٰ حکام کی شکر گزار ہوں۔ ان سبھی کے بھرپور تعاون سے یہ کام مکمل ہوا۔ لائبریرین سید طاہر عباس، کمپوزنگ کے لئے ایم غالب، طباعت اور سرورق کے لئے جناب جاوید غزالی کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے اس قصیدہ بردہ کی اشاعت نہ صرف میرے لیے باعث مسرت ہے بلکہ اس شعبے کے لیے بھی باعث افتخار ہے۔

ممبئی

یکم ستمبر ۲۰۱۵ء

(ڈاکٹر) سعیدہ اختر پٹیل

اسسٹنٹ ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

RekhtaDownload.com

سید عبدالفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی

سلسلۂ نسب اور حالاتِ زندگی

ممبئی شہر اپنے انوکھے رہن سہن، رسم و رواج، صنعت و تجارت اور سمندر کے حسین نظاروں کے باعث دنیا کی ہر قوم کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ یہاں مختلف ادوار میں مختلف قومیں دنیا کے مختلف حصوں سے آکر بسیں، پھلی پھولیں، اور پیوند خاک ہوگئیں۔ بموجب ممبئی گزٹ ۱۹۰۹ء، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یہاں مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھی۔ اس قوم نے یہاں آکر دولت، عزت اور شہرت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے میدان میں بھی اپنے قدم جمائے اور خوب ترقی کی۔ انھوں نے ممبئی میں مدرسے، اسکول، شفاخانے، مسافر خانے اور دیگر ادارے قائم کیے۔ جس زمانے میں ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اردو زبان و ادب میں مذہبی۔ تخلیقی اور تہذیبی ادب پنپ رہا تھا اسی زمانے میں ممبئی میں بھی اردو میں تخلیقی کام ہورہا تھا۔ یہاں بھی ایسے بڑے بڑے اہل علم اور صاحب کمال علماء گزرے ہیں جن کے علمی و ادبی کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ مگر بدقسمتی سے کچھ علماء کا کلام زمانے کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔ اور بعض علماء ایسے بھی ملتے ہیں جن کی تصانیت تو ملتی ہیں لیکن ان کے حالات زندگی

بہت کم تذکروں یا تصنیفوں میں پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی تحقیقی تصنیف ''بمبئی میں اردو'' میں بہت سے ایسے ادیبوں اور شاعروں کو متعارف کروایا ہے جو پردۂ اخفا میں تھے۔ انھیں میں ایک نام مولوی عبدالفتاح کا بھی ہے۔ تاہم آج بھی کئی علماء، ادیبوں اور شاعروں کا کام توجہ طلب ہے۔

انیسویں صدی میں ممبئی کے علماء میں ایک اہم اور بلند پایہ شخصیت مفتی سید عبدالفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی کی ہے۔ ان کا شمار یہاں کے ان نامور شعرا اور ادیبوں میں ہوتا تھا جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو کے عالم اور ایک کامیاب استاد ہونے کے علاوہ ایک شاعر، محقق، ترجمہ نگار اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے ان کی تصانیف کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں اردو نظم و نثر کا چلن مذہبی مقاصد کے لیے عام تھا مگر تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ان کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔

مولوی سید عبدالفتاح کے ایک معاصر جناب مولوی محمد ادریس نگرامی نے اپنی تصنیف ''تذکرہ علمائے حال'' میں ان کی تعلیم سنہ پیدائش اور استادوں کا ذکر صفحہ نمبر ۴۹ پر کیا ہے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں مطبع منشی نولکشور سے چھپی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''۱۹۶۔ مولوی سید عبدالفتاح صاحب گلشن آبادی: ابن سید عبداللہ حسین نقوی، آپ کا لقب سید اشرف علی ہے۔ ولادت آپ کی (۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء) بارہ سو چونتیس ہجری میں ہوئی۔ مولانا سید میاں سورتی و مولوی شاہ عالم ساکن بڑودہ و مولوی بشارت اللہ کابلی و ملا عبدالقیوم کابلی و مفتی عبدالقادر تھانوی و مولوی خلیل الرحمن رامپوری و مولوی فضل رسول بدایونی۔ و مولوی محمد اکبر کشمیری و معلم ابراہیم باعکظہ سے علوم متعارفہ حاصل کر کے (۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۷ء) میں بارہ سو چونسٹھ ہجری میں سند افتا کی لی۔ اور ۱۲۷۱ھ میں مفتی عدالت خاندیش مقرر ہوئے۔ اور (۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء) میں مدرسہ الفنسٹن واقع بندر بمبئی کے مدرس عربی و فارسی ہوئے۔

اور سرکار خاندیس سے آپ کو خطاب خان بہادر ملا ہے۔ اب وطن مالوف گلشن آباد عرف ناسک میں طلبا کو درس دیتے ہیں اور تالیف کرنے کا شغل ہے۔ آپ کی تالیفات میں سے "تحفہ محمدیہ، فی ردفرقہ مرتدیہ تائید الحق، جامع الفتاویٰ ۴ جلد، خزینۃ العلوم ۲ جلد، اشراف الانبیاء، کلید دانش، صد حکایت، دیوان اشرف الاشعار وغیرہ ہے۔ آپ کے تلامذہ میں سے مولوی سید نظام الدین، شیخ قطب الدین، قاضی سید بچومیاں، مولوی سید امام الدین احمد صاحب ہیں۔"[۱]

خواجہ عبدالحمید۔ بی۔اے مصنف جامع اللغات، سید عبدالفتاح کو ایرانی مورخ بتاتے ہیں۔ لیکن مدرسہ الفنسٹن کی ملازمت اور ان کی تصانیف کے نام وہی لکھتے ہیں جن کا ذکر دوسرے تذکروں میں یا مصنف کی اپنی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"عبدالفتاح: مورخ ایرانی۔ مصنف تاریخ گیلان۔ بن سید عبداللہ ۱۸۶۷ء میں مدرسہ الفنسٹن، بمبئی میں پروفیسر ہوا۔ مصنف جامع الفتاویٰ (چار جلد) خزینہ دانش، تاریخ روم وغیرہ۔ مصنف اورادِ غوثیہ و جواہر الکائنات"[۲]

"تذکرہ علمائے ہند" کے مصنف رحمان علی نے بھی عبدالفتاح کے متعلق وہی باتیں لکھی ہیں جو "تذکرہ علمائے حال" کے مصنف نے یا خود عبدالفتاح نے اپنی تصنیف جامع الفتاویٰ میں لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"سید عبدالفتاح بن سید عبداللہ حسینی از سادات نقویہ ساکن گلشن آباد عرف ناسک عالم باعمل، فاضل اجل، بخدمت موالی وقت مثل سید میاں سورتی، و مولوی شاہ عالم ساکن بڑودہ، مولوی بشارت اللہ کابلی و ملا عبدالقیوم کابلی و مفتی عبدالقادر تھانوی و مولوی خلیل الرحمن ساکن مصطفیٰ آباد عرف رامپور و مولوی فضل رسول بدایونی و مولوی محمد اکبر کشمیری و معلم ابرہیم باعکظ تحصیل علوم متعارفہ و متداولہ نمودہ۔ درسہ دوازدہ صد و شصت و چہار ہجری

(۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء) بعد امتحان سند یافتہ در سال دوازدہ صد و ہشتاد و یک (۱۲۸۱ ہجری/۱۸۶۷ء) بہ منصب افتاد عدالت ضلع خاندیش ممتاز گشت و در سال دوازدہ صد و ہشتاد و چہار ہجری ۱۲۸۴ھ مدرسہ الفنسٹن واقع بندر بمبئی، مدرس عربی و فارسی شدہ''۳

سید عبدالفتاح گلشن آبادی کی پیدائش کی تاریخ صرف ہمیں ''تذکرہ علمائے حال'' میں ملتی ہے جو کہ ۱۲۳۴ھ/۱۸۸۸ء ہے۔ اسی طرح ان کی وفات کا سنہ ساحل صاحب کے مضمون کے علاوہ کتاب گلزار صادق اور گلشن صادق میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ:

''سید عبدالفتاح نے ۱۵ رصفر ۱۳۲۳ھ کو بمبئی میں رحلت فرمائی اور وہ بمبئی کے مشہور بینارہ مسجد میں سمت مغرب سپرد خاک کیے گئے۔''۴

ان دو تذکروں اور جامع اللغات کے علاوہ مولوی عبدالفتاح کے حالات زندگی ان کے صاحب زادے سید امام الدین احمد کی تصنیف ''تاریخ الاولیاء جلد اول ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء اور ایک رسالہ ''گلزار صادق'' مولفہ مولوی بشیر الدین احمد ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء کتاب ''گلشن صادق'' مصنفہ میر وارث علی پیرزادہ ۱۹۸۱ئ ء/۱۴۰۱ھ اور خود مصنف کی تصنیف ''جامع الفتاویٰ'' میں موجود ہیں۔ گلزار صادق رسالۂ ''صبح صادق'' (فارسی) کا اردو ترجمہ ہے، جس کے مصنف سید امام الدین احمد ہیں یہ دونوں کتابیں اب نایاب ہیں اس کے علاوہ مولوی عبدالحلیم ساحل کا مضمون بشمولہ نوائے ادب جنوری ۱۹۷۵ء میں کچھ زیادہ تفصیل مل جاتی ہے۔ ساحل صاحب کا کہنا ہے کہ انھوں نے یہ معلومات سید عبدالفتاح کے ایک خاندانی بزرگ جناب میر وارث علی صاحب سے حاصل کی ہیں۔ جونا سک سٹی میں بڑی درگاہ کے احاطے میں رہتے ہیں۔ مولوی عبدالفتاح کے یہ خاندانی بزرگ میرے پیش نظر کتاب ''گلشن صادق'' کے مصنف ہیں۔ موصوف نے کئی مستند اردو اور انگریزی کتابوں سے معلومات اخذ کی۔ ان کی انتھک کوششوں کے بعد یہ کتاب مکمل ہوئی۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے بھی ''بمبئی میں اردو'' میں اشرف (عبدالفتاح) کی نثر نگاری اور شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔

مذکورہ بالا کتب اور مصنف کی موجودہ کتابوں سے ان کے حالات زندگی کا جو پتہ چلتا

ہے وہ اس طرح ہے۔ اس مشہور و معروف عالم کا نام سید عبد الفتاح اور عرفیت اشرف علی ہے۔ والد کا نام سید عبد اللہ حسینی القادری پیرزادہ گلشن آبادی ہے۔ والدہ کا نام سراج بی بی بنت چراغ علی ہے۔ ۵ ان کی والد کی عرفیت گھانسی میاں تھی۔ وہ خاندان سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ سید اسد اللہ حسینی مغل بادشاہ شاہ جہاں کے عہد میں دکن تشریف لائے تھے۔ انھیں کے سلسلۂ نسب میں سید صادق شاہ حسینی بڑے باکمال بزرگ گزرے ہیں، جن کا شمار مرجع خلائق صوفیوں میں ہوتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دکن میں سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ کا شہرہ عام تھا۔ ان کے بعد دکن میں سب سے زیادہ شہرت پانے والے ہر دلعزیز اور روحانی فیض و برکات کو عام کرنے والے صوفی سید صادق شاہ حسینیؒ تھے۔ جو سید عبد الفتاح کے جد امجد ہیں۔

شیخ محمد اکرام ان صوفیوں کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت سید گیسو دراز نے پونا اور بیلگام کے کئی لوگوں کو مسلمان کیا۔ ان میں سے ممبئی کے مغربی ساحل پر علاقہ کوکن میں شیخ بابا عجیب نے مدتوں اشاعت اسلام کی۔ آپ کا مزار ضلع تھانہ کے پر فضا مقام قصبہ دھانو میں ہے۔ دھاروار کے کئی علاقے ایسے ہیں جن کے بزرگوں نے سید ہاشم گجراتی کے زیر اثر اسلام قبول کیا۔ ضلع ناسک میں شاہ محمد صادق سرمست حسینی اور خواجہ خمیری حسینی کامیاب داعیان اسلام تھے۔''۶

پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی کا زمانہ ہندوستان میں صوفیانہ تحریک کے عروج کا زمانہ تھا۔ یہی صوفی گاؤں گاؤں اور شہر شہر گھوم کر اسلام کی تبلیغ کرتے اور بھائی چارگی کا درس دیتے۔ صوفی سید صادق حسینی کے بارے میں عبد الجبار خاں صوفی ملکاپوری نے لکھا ہے کہ:

> ''شاہ صدر الدین قدس سرہ، خلیفہ حضرت نظام الدین کے مرید و خلیفہ ہیں۔ حضرت نظام الدین نے شاہ صدر الدین قدس سرہ سے فرمایا کہ شہر گلشن آباد عرف ناسک میں جائے سکونت اختیار کیجیے۔ انھوں نے اپنے مرشد سے کہا کہ آپ روشن ضمیر ہیں گذارش کی ضرورت نہیں۔ لیکن نہایت

ادب سے عرض کرتا ہوں کہ تقدیر ازل و ارادت لم یزل میں ناسک کی ولایت سید محمد صادق شاہ الحسینی کے تفویض ہوئی ہے۔ وہ میرے بعد آئیں گے۔ اور ملک (ناسک) میں ہدایت کا چراغ روشن کریں گے۔''[۷]

سید محمد صادق شاہ حسینی کی روحانی تعلیمات اور اخلاقی اصلاحات کا مرکز علاقہ گلشن آباد (ناسک) ضلع مہاراشٹر تھا۔ سید عبدالفتاح کا شجرہ نسب جو کہ مذکورہ کتابوں میں ملتا ہے، اس طرح ہے۔

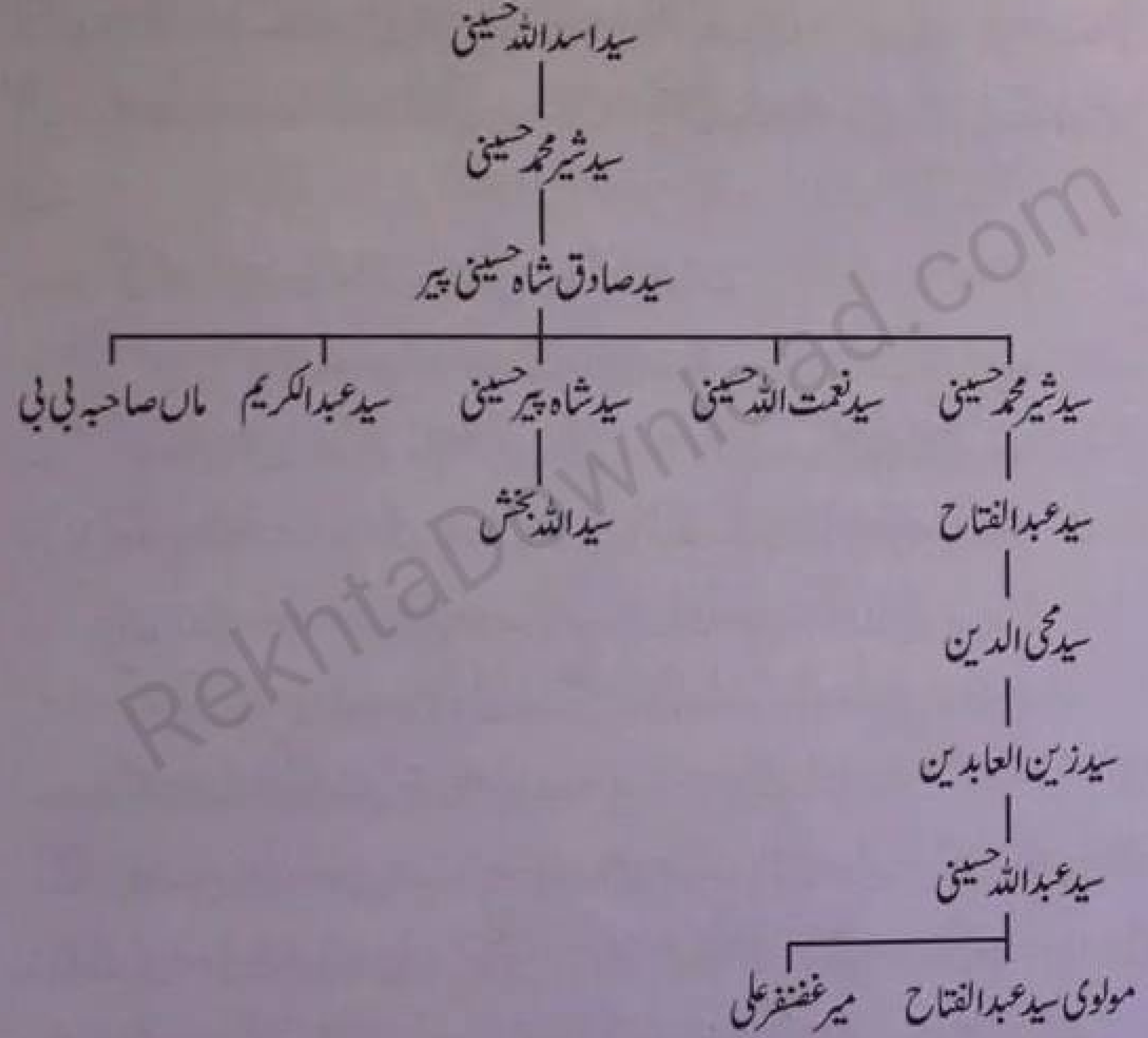

میر غضنفر علی (مولوی سید عبدالفتاح کے برادر مختار)[۸]

سید صادق شاہ حسینی کے فرزندوں میں صرف سید شیر محمد حسینی اور سید عبدالکریم سے خاندانی سلسلہ چلا۔ باقی نعمت اللہ حسینی اور سید شاہ حسینی کا سلسلہ اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے

RekhtaDownload.com

منقطع ہوگیا۔ سید عبدالکریم کے خاندان کے کچھ لوگ ابھی بقید حیات ہیں۔ اور ناسک شہر میں سید صادق شاہ حسینی (بڑی درگاہ شریف) کے احاطے میں رہتے ہیں عبدالفتاح کے بیان سے بھی مندرجہ بالا شجرہ کی تصدیق ہوتی ہے انھوں نے اپنی تصنیف جامع الفتاویٰ میں اپنا خاندانی شجرہ اس طرح لکھا ہے:

''خاکسار اقل العباد مفتی سید عبدالفتاح عرف سید اشرف علی ابن سید عبداللہ حسینی القادری پیرزادہ گلشن آبادی ابن سید شمس الدین ابن زین العابدین ابن سید محی الدین ابن سید عبدالفتاح ابن سید شیر محمد ابن سید محمد صادق شاہ حسینی قدس اللہ، اسرار ہم الحنفی مذہباً والقادری شرٗ باعفی اللہ عنہ و عن والدیہ وعن سایر المسلمین''۔ ۹

ان شجروں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سید عبدالفتاح کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں اپنے عہد کے سب سے بڑے ولی شاہ صادق حسینی گلشن آبادی سے ملتا ہے۔ جن کا تعلق سادات حسینی سے تھا۔ اس لیے شروع سے ہی ان کا خاندان پیرزادہ کہلانے لگا۔ اور مغل حکمرانوں سے جاگیر ملنے کے بعد وہ جاگیردار بھی کہلائے۔ اس کی تصدیق خود عبدالفتاح کی تحریر اور گزیٹر آف ناسک جلد ۱۶ سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اما بعد می گوید فقیر حقیر سراپا تقصیر سید عبدالفتاح عرف مفتی سید اشرف علی ابن سید عبداللہ حسینی پیرزادہ گلشن آبادی جاگیردار قصبہ ناسک عفی اللہ عنہا''۔ ۱۰

مولوی صاحب کا خاندان ایک عرصہ تک سرزمین ناسک میں علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ اس خاندان کے بزرگوں نے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کے علاوہ کئی علمی اور مذہبی کتابیں تصنیف کیں۔ ناسک اور اس کے مضافاتی علاقوں میں مدرسے قائم کیے جہاں مسلمان بچوں کو مذہبی اور ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود عبدالفتاح کے والد سید عبداللہ حسینی بڑے لائق و فائق عالم تھے۔ انھوں نے علوم الٰہی و فلسفہ و جمل میں قابل رشک شہرت حاصل کی تھی۔ علوم دینی اور احکام شرعیہ اور فلسفہ میں اپنے زمانے کے جید عالم سمجھے جاتے تھے۔ شاعری کا بھی

شوق تھا۔ عبدالفتاح نے تاریخ الاولیاء کی تقریظ میں اپنے والد ماجد کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"فقیر خاکسار سید عبدالفتاح المدعو سید اشرف علی الحسینی قادری گلشن آبادی عفی اللہ عنہ وعن اصولہ وفروعہ وسایر المسلمین کہ میرے والد ماجد سید عبداللہ حسینی ابن سید شمس الدین ابن سید زین الدین العابدین ابن سید محی الدین ابن سید عبدالفتاح سید اسد اللہ عرف شیر محمد ابن زبدۃ العارفین عمدۃ الواصلین حضرت سید محمد صادق شاہ حسینی سرمست قدس اللہ سرہ العزیز ہمیشہ مطالعہ کتب علمائے ربانی اور تحریر رسائل اولیائے حقانی میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر اجزا متفرقات بزرگان متقدمین ومتاخرین کے مرقوم فرمائے۔ تصانیف، ہندی و فارسی ساٹھ ہزار بیت اور کتابت قریب تین لاکھ کے ہوگی۔ اور ۱۲۷۷ ہجریہ/ ۱۸۶۰ء مقدسہ ۲۶ ماہ شوال کو شہر گلشن آباد عرف ناسک میں حضرت کا وصال ہوا۔" [۱۱]

تاریخ گواہ ہے کہ جنوبی ہند کے دور دراز مقامات پر پہنچ کر صوفیائے کرام نے اسلام کی تبلیغ اور اردو زبان کی ترقی میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی طرح سید عبدالفتاح کے خاندانی بزرگوں نے بھی مذہب کی ترویج کے علاوہ تصوف کے مسائل کو بھی اپنی تصانیف و تالیف کا موضوع بنایا۔ ابتدائی ادب چاہے وہ نظم ہو یا نثر، مذہبی اثرات سے پُر ہے۔ ان کا کلام معرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس سادات حسینی کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جیمز ایم کیمبل نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صادق حسینی کے فیوض و برکات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس خاندان کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ:

"اس خاندان کے لوگ تعلیم و تدریس میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر داڑھیاں ہوتی ہیں۔ وہ مونچھیں منڈواتے ہیں اور سر پر صافہ باندھتے ہیں اور کرتا پہنتے ہیں۔ ان کا رنگ عموماً گندمی اور چہرہ بارعب ہوتا ہے۔" [۱۲]

سید عبدالفتاح کی وضع اور قطع کے متعلق مصنف علمائے ہند رحمان علی بھی مسٹر ایم جیمز کیمبل کی طرح تحریر کرتے ہیں کہ:

"مولوی صاحب کا رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا۔ میانہ ستواں ناک اور آخیر عمر میں سفید ریش ہو گئے تھے۔ پائجامہ کرتا زیب تن کرتے۔ سر پر کلاہ اور اس پر پگڑی جو عموماً خانوں (خان) کے انداز کی ہوتی باندھتے تھے۔"[۱۳]

عبدالفتاح کی قدآور شخصیت کا احاطہ کرنا واقعی مشکل کام ہے۔ اور ایسی صورت میں جب کہ ان کے حالات زندگی کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں۔ تاریخ الاولیا اور علمائے ہند کے علاوہ خود مصنف کی تصانیف کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ ان کی پیدائش اور تربیت گلشن آباد (ناسک) میں ہوئی۔ گلشن آباد کا نام ناسک یا ناسک کا نام گلشن آباد کب تھا تاریخی حوالے بتاتے ہیں کہ عہد اکبری میں بعض شہروں اور محلوں کے نئے نام رکھے گئے اور یہ سلسلہ مغل بادشاہوں میں چل پڑا تھا۔ کچھ مورخ کہتے ہیں کہ عہد عالمگیر میں ناسک کے جغرافیائی محل وقوع، فطری اور دلکش مناظر کے پیش نظر اس کا نام گلشن آباد رکھا گیا۔ ناسک گزیٹر کے مطابق ناسک شہر میں بڑی درگاہ کے آس پاس والے مسلم علاقے کا نام "گلشن آباد" رکھا گیا۔ بقیہ شہر ناسک ہی کہلایا۔ ناسک کی وجہ تسمیہ اس کی تاریخ کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ہندروایات سے پتہ چلتا ہے کہ رام چندر جی لکشمن اور سیتا نے اپنے بن باس کے دوران اسی علاقے میں رہائش اختیار کی۔ جیمز کیمبل لکھتے ہیں کہ رام چندر جی بن باس کے دوران اگستیا رشی سے ملے اور انھیں کچھ ہتھیار بھی تحفتاً دیے۔ انھوں نے اپنی بیوی اور بھائی کے لیے ناسک کے جنگل میں برگد کے درخت کے جھرمٹ میں پانچ جھونپڑیاں بنائیں اور رہنے لگے۔ اس وجہ سے یہ علاقہ "پنچوٹی" بھی کہلاتا ہے۔ یہ ناسک کا ایک سرسبز وشاداب علاقہ ہے۔ جہاں سے دریائے گوداوری بھی گزرتا ہے۔ اسی مقام پر راون کی بہن شوپنکھا کے ناک کاٹے جانے کا واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ناسک "نوشک" سے ماخوذ ہے۔ شک سنسکرت لفظ ہے اس کے معنی ٹیکری کے ہیں۔ کسی زمانے میں یہاں نو ٹیکریاں ایک دوسرے

سے قریب واقع تھیں اس لیے اس مقام کا نام نوشک پڑ گیا۔ جس کی بگڑی ہوئی شکل ناسک ہے۔ ۱۴

سید عبدالفتاح کے جدِ اعلیٰ ''سید صادق حسین شاہ حسینیؒ'' نے گلشن آباد (ناسک) میں سکونت اختیار کی۔ ان کا شمار مشہور و مقبول صوفیا میں ہوتا تھا اور دکن کے علاقہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسودرازؒ کے بعد سب سے زیادہ مقبولیت صادق شاہ حسینی کو ملی۔ اس لیے ان کی وفات کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور پھر شاہ عالم اوّل نے حضرت صادق شاہ حسینی کی اولادوں کو جائدادیں عطا کیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سید عبدالفتاح نے اپنی اکثر تصانیف میں خود کو ''پیرزادہ جاگیردار قصبہ گلشن آباد'' لکھا ہے۔ اسی سلسلے میں مولوی عبدالفتاح کے نام انگریز سرکار سے باقاعدہ سند بھی جاری کی گئی تھی۔ جائدادوں کے سلسلے میں عالمگیر اور شاہ عالم اول کے فرامین کی نقول۔ ان کے خاندانی بزرگ جناب میر وارث علی صاحب، جناب عارف علی صاحب اور میر صابر علی صاحب ابن ہدایت علی کے پاس موجود تھیں جو جناب ساحلؔ صاحب نے بچشم خود دیکھی تھیں۔ ۱۵ اور میر وارث علی نے اس کا ذکر اپنی تصنیف گلشن صادق میں بھی کیا ہے۔

گلشن آباد (ناسک) میں مولوی عبدالفتاح صاحب کی کئی حویلیاں تھیں۔ ان حویلیوں کی دیواریں سنگ اسود کے ناتراشیدہ ٹکڑوں سے بنی ہوئی تھیں۔ ۱۶ ان عمارتوں کی تعمیر میں لکڑیوں کے چھوٹے بڑے کندے بھی استعمال کیے گئے تھے۔ جیسا کہ اس عہد میں مکان کی تعمیر میں لکڑی اور کالے پتھروں کا استعمال ہوتا تھا۔ مولوی صاحب نے اپنے حالات کے پیش نظر ان حویلیوں کو فروخت کر دیا تھا۔ اور انھیں میں سے ایک حویلی کے زیریں منزلے میں ان کا قیام رہا کرتا تھا۔ یہ حویلیاں احاطہ درگاہ سید شاہ حسینی کے جنوبی جانب واقع ہیں اور اب ان پر بوسیدگی اور کہنگی کے نمایاں اثرات پائے جاتے ہیں۔ ۱۷ اس قدیم عمارت کو دیکھنے کا شرف راقم کو بھی حاصل ہے۔

مولوی سیّد عبدالفتاح گلشن آبادی نے ایک مذہبی اور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ اس لیے ان کی فطرت میں مذہب اور علم وفن کی محبت رچی اور بسی ہوئی تھی۔ خیال

اغلب ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم گلشن آباد میں ہوئی۔ علوم متداولہ کے لیے انھوں نے اپنے وقت کے نامور اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ جامع الفتاویٰ میں انھوں نے اپنے اساتذہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

''ابتدائی طالب علمی سے استادنا و مرشدنا حضرت:

۱۔ سید میاں۔ ساکن سورت

۲۔ مولوی شاہ عالم۔ ساکن بڑودہ

۳۔ مولوی بشارت اللہ۔ (کابلی)

۴۔ مولوی عبدالقیوم۔ (کابلی)

۵۔ مفتی عبدالقادر۔ ساکن تھانہ

۶۔ مولانا خلیل الرحمن (مصطفیٰ آبادی)

۷۔ مولانا فضل رسول بدایونی

۸۔ مولانا و مرشدنا محمد اکبر کشمیری

۹۔ مولانا و استادنا حضرت معلم ابراہیم باعکظہ خطیب جامع مسجد بمبئی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حضور میں اس بندے نے شاگردی کی ہے۔ اور کتب درسیہ، معقول و منقول صرف و نحو و علوم فقہ و اصول بقدر حوصلہ حاصل کر کے تدریس و تو عیظ و تالیفات میں مشغول ہوا۔''[۱۸]

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف رحمان علی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں بیانوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سید عبدالفتاح نے کسی خاص درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اپنے زمانے کے دستور کے مطابق اساتذہ وقت کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا۔ اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے اعلیٰ خاندانوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ عالموں اور فاضلوں کو اپنے گھروں میں بطور اتالیق مقرر کرتے تھے اور اپنے بچوں کو بجائے مدرسہ بھیجنے کے انھیں گھر میں ہی تعلیم دلواتے تھے۔ مولوی صاحب نے بھی اسی طرح ابتدائی درسی علوم حاصل کیے۔ ان کے بعض اساتذہ کا شمار اس وقت کے بہترین علماء میں ہوتا تھا۔ گزشتہ زمانے میں جب کہ آج کی طرح سیر و سفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ ہمارے علماء

اور مشاہیر کا ملک کے مختلف حصوں میں جا کر تعلیم حاصل کرنا کسی کارنامے سے کم نہیں۔ چنانچہ عبدالفتاح نے بھی اپنے علمی شوق کو پورا کرنے کے لیے ناسک سے گجرات اور پھر ممبئی کا سفر طے کیا اور اہل علم و کمال سے فیض یاب ہوئے۔ یوں تو انھیں تمام علوم و فنون سے دلچسپی تھی لیکن عربی۔ فارسی، انگلش صرف و نحو تاریخ فقہ اور احادیث میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولوی صاحب تصنیفات اور تالیفات میں مشغول ہوئے اور ساتھ ہی درس و تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔ وہ اپنی تصنیف "تحفۃ المشتغال فی الاصطلاحات والامثال" میں رقمطراز ہیں کہ:

"۱۸۳۶ء میں اکثر صاحبان عالیشان کی خدمت میں بذریعہ منشی گری و تدریس و تعلیم ہندوستانی و فارسی کے مصروف رہا کرتا تھا۔ اور ۱۸۴۹ء میں نائب مترجم عربی و فارسی کا سپریم کورٹ بمبئی میں ہوا۔" ۱۹

ناسک سے ان کی وابستگی کا زمانہ متعین نہیں ہے۔ ان کی مختلف تحریروں کی روشنی میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عرصہ دراز تک ممبئی میں مقیم رہے۔ اور بقول ساحل صاحب یہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ انھوں نے ۱۸۵۴ء میں مفتی گری کا امتحان عربی زبان میں دیا اور عدالت دھولیہ میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس ملازمت کے تعلق سے وہ جامع الفتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) بجریہ مقدسہ میں سرکاری صدر عدالت میں امتحان مفتی گری عربی میں دے کر سند حاصل کیا۔ اور ۱۲۷۱ھ میں عدالت دھولیہ ضلع خاندیس میں منصب افتا پر ملازم ہوا۔" ۲۰

مولوی صاحب دھولیہ میں ۱۸۵۴ء سے ۱۸۶۸ء تک تقریباً تیرہ سال تک مفتی گری کے عہدے پر مامور رہے۔ اسی دوران انھوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اس کے بعد وہ بمبئی چلے آئے اور یہاں کے اولین کالج الفنسٹن کالج اور ہائی اسکول میں عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ اپنی اس نوکری کا ذکر جامع الفتاویٰ اور تحفۃ المشتغال میں اس طرح کرتے ہیں۔

''۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں سرکاری الفنسٹن کالج وہائی اسکول بمبئی میں بعہدۂ مدرسی عربی و فارسی تا امروز ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء ہے۔ علاقہ سرکاری سرشتہ تعلیمی سے رکھتا ہے۔''۲۱

''۱۸۶۸ء سے بمنصب مدرس عربی و فارسی الفنسٹن کالج و ہائی اسکول میں معین ہوا ہے۔ اکثر طلباؤں کو اصطلاحی جملے ضرب المثل عربی و فارسی وفقرات متداولہ السنہ مختلف کے سکھائے ہر سال کئی بار مجلس امتحان کے واسطے حیطہ تحریر وتقریر میں لائے۔''۲۲

جب ارباب الفنسٹن کالج نے عربی و فارسی کی تعلیم غیر ضروری قرار دے کر ان زبانوں کی تعلیم کو اختیاری مضامین کے زمرے میں شامل کر دیا تو مولوی صاحب اس کالج کی پروفیسری سے سبکدوش ہو گئے۔ مصنف تذکرۂ علمائے ہند مزید لکھتے ہیں کہ ''اس ملازمت سے علیحدگی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے اپنے آبائی سلسلہ رشد وہدایات پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی اور وقت کی کمی کے باعث وہ تصنیفی مشاغل کے ساتھ کالج کی پروفیسری پورے انہماک کے ساتھ نہیں نباہ سکتے تھے۔'' حکومت ہند نے مذکورہ بالا مصنف کے بیان کے مطابق ان کی علمی و منصبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''جسٹس آف دی پیس'' بنایا اور ''خان بہادر'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔۲۳

سید عبدالفتاح نے ایک طویل عرصہ ممبئی شہر میں گزارا۔ ان کی اپنی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء میں وہ بمبئی کے سپریم کورٹ میں عربی و فارسی کے نائب مترجم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ پھر عدالت دھولیہ میں مفتی کے عہدے پر قائم رہے اور ۱۸۶۸ء میں وہ دوبارہ الفنسٹن کالج کے پروفیسر کی حیثیت سے بمبئی آجاتے ہیں۔ ساحل صاحب کے مضمون سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ممبئی کے ایک قدیم مسلم محلے جاملی محلے میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ محلہ پائیدھونی اور بھنڈی بازار سے قریب ہے اور آج بھی اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ اس محلے کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں غلام رسول سورتی کا کتب خانہ تھا۔ جس کے قریب ہی مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ کی تصنیف کے دوران قیام فرمایا تھا۔ اس وقت بھنڈی بازار علمی و

ادبی محفلوں کا گہوارہ ہوا کرتا تھا۔ اور کئی مشہور اخبار جیسے شوکت ہند، سلطان الاخبار۔ مخبر اور فرحت الاحباب وغیرہ اسی جگہ سے شائع ہوا کرتے تھے۔ جامع الفتاویٰ کے آخری صفحہ پر ایک اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب کا قیام کچھ عرصہ محلہ گوری مُلّا میں بھی رہا۔ وہ اشتہار اس طرح ہے۔

"المشتہر عبدالضعیف مفتی سید عبدالفتاح الحسینی قادری ساکن بمبئی محلہ گوری مُلّا نمبر ۲۵" ۲۴؎

محلہ گوری ملا، بھنڈی بازار سے متصل ایک محلہ اب بھی ہے جس کی مسجد (چونا بھٹی کی مسجد) میں تبلیغی اجتماعات ہوتے رہتے ہیں اور جس میں تقریباً ۸۰ برس پہلے عربی کا ایک مدرسہ تھا جس میں عربی کی ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی کتب درسیہ تک (اعلیٰ درجہ تک) تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ "مدرسہ کمو یعقوب" کے نام سے مشہور تھا۔ اب اس کی یادگار (مدرسۃ الحفاظ مدرسۂ کمو یعقوب) رہ گیا ہے۔ سید عبدالفتاح نے اپنے بمبئی کے دوران قیام میں علاقہ ناریل واڑی کو بھی اپنی عارضی قیام گاہ بنایا تھا۔ اس مقام سے سمندر بحر عرب بہت قریب ہے۔ اسی سے متصل ایک مسجد اور قبرستان بھی ہے جو آج بھی ناریل واڑی قبرستان کہلاتا ہے۔

☆☆☆

ازدواج واولاد

''سوانح حیات حضرت سید شاہ صادق سرمست حسینی الموسوم گلشن صادق'' نامی کتاب سے مولوی عبدالفتاح اوران کے اہل خاندان کے بارے میں خاصی معلومات ملتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف میر وارث علی پیرزادہ ان کے خاندان کے ہی ایک فرد ہیں، جن کا نسب نامہ اس طرح ہے:

''میر وارث علی ابن میر ہدایت علی بن میر فاضل علی بن میر عباس علی بن سید عارف بن سید کریم بن سید عبدالرحیم بن سید عبدالرکریم بن سید شاہ محمد صادق حسینی سرمست'' (ص نمبر ۳، ۱۳ کتاب گلشن صادق)

مذکورہ بالا کتاب اور عبدالحلیم ساحل صاحب کے مضمون کے مطابق مولوی سید عبدالفتاح نے دو شادیاں کیں۔ ان کا پہلا عقد پیرزادہ خاندان کی ایک خاتون شرف النساء بی بی سے ہوا تھا۔ ان کی وفات ۲؍ربیع الاول ۱۲۵۵ھ کو ہوئی۔ مولوی صاحب کا دوسرا عقد عائشہ بی بنت عبدالرحمن سے ۱۶؍ربیع الاول ۱۲۵۶ھ کو ہوا۔ اس دوسرے حرم سے ان کی دو نرینہ اولادیں ہوئیں۔ (۱) سید احمد اور (۲) مولوی سراج الدین۔ اول الذکر فرزند کے دو لڑکے ہوئے مولوی بشیر الدین اور مولوی فضل الدین، بڑے صاحبزادے سید احمد کا انتقال مولوی صاحب کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ دوسرے فرزند کے بھی دو لڑکے ہوئے مولوی منیر

الدین اور مولوی علی الدین۔ ان دونوں میں بڑے مولوی منیر الدین صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ثروت و مال بھی تھے۔ مولوی عبدالفتاح کی ازدواجی زندگی کے حالات مجھے اور کہیں نہیں مل سکے۔ "تذکرہ علمائے حال" کے مصنف ادریس نگرانی مولوی صاحب کے ایک فرزند سید امام الدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مولوی سید امام الدین صاحب: بن مولوی سید عبدالفتاح صاحب گلشن آبادی، ولادت آپ کی ۱۲۶۶ھ بارہ سو چھیاسٹھ ہجری میں ہوئی۔ کتب درسیہ فارسیہ اپنے دادا سید عبداللہ حسینی سے اور صرف ونحو اپنے والد ماجد سے حدیث وفقہ وتفسیر وادب وفرائض مولوی نظام الدین لاہوری و مولوی فرحت اللہ و مولوی ہدایت اللہ فاروقی سے حاصل کیا اور کتب سلوک و تصوف مولانا سید عبدالصمد صاحب بخاری سے پڑھے۔ فی الحال مدرسہ عالیہ سرکاری گلشن آباد عرف ناسک میں مدرس فارسی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے تاریخ الاولیا تین جلد۔ تاریخ روم و شام۔ سراج الفقرا۔ رحمۃ اللعالمین تذکرہ الانساب۔ تذکرہ حیات العلما وغیرہ ہے۔" ۲۵

محمد ادریس نگرامی صاحب نے سید امام الدین احمد کی جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں صرف تاریخ الاولیاء۔ جلد اول، مخزونہ کریمی لائبریری، میری نظر سے گزری ہے۔ اس کتاب کے آخری صفحوں پر مولوی عبدالفتاح کی لکھی ہوئی تقریظ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ان کے صاحبزادے سید احمد کی تحریر کردہ ہے۔ ساحل صاحب نے اور میر وارث علی نے ان کا نام سید احمد لکھا ہے۔ نگرامی صاحب، مولوی عبدالفتاح اور خود سید امام الدین احمد کی تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ سید احمد کا نام ہی سید امام الدین احمد ہے۔ تاریخ الاولیا پر ان کا نام اس طرح ہے:

"مولفہ العبد المسلمین امام الدین احمد ابن مفتی سید عبدالفتاح المعروف مولوی اشرف الحسینی القادری پیرزادہ گلشن آبادی" ۲۶

مولوی عبدالفتاح نے اپنی تقریظ میں تحریر کیا ہے:

''عرصہ چار سال سے برخوردار نور الابصار سید امام الدین احمد اطال اللہ عمرہ و بلغ الی ما یتمناہ مطالعہ کتب متداولہ درس و افتا میں مشغول رہ کر ترجمہ تذکرۃ الاولیا کا لکھنا شروع کیا تمام تحریرات جد امجد کی مطالعہ کئے اور اکثر متصوفین وغیرہ کہ بعضوں کے نام اس کتاب تاریخ الاولیا کے دیباچے میں مرقوم ہوئے ہیں۔'' ۲۷

ان تمام شواہد کی روشنی میں صاحبزادے سید احمد کا نام مولوی سید امام الدین احمد قرار پاتا ہے۔ تذکرۂ علمائے ہند از رحمان علی گلزار صادق، اور گلشن صادق کے صفحات بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کے دو بیٹے اور تین شاگرد تھے۔ جن کے نام اس طرح ہیں۔

''مولوی سید نظام الدین و شیخ قطب الدین و قاضی سید بچو میاں خاندیسی از تلامذہ وی بند و یرا دو فرزند ارجمند ہستند مولوی سید امام الدین احمد 'سید سراج الدین محمد'' ۲۸

مصنف گلشن صادق فرماتے ہیں کہ مولوی عبد الفتاح کے بڑے صاحب زادے سید امام الدین احمد کا انتقال مولوی صاحب کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ سید امام الدین احمد کی دو اولاد نرینہ تھیں۔ (۱) مولوی بشیر الدین احمد اور (۲) مولوی فضل الدین۔ مولوی بشیر الدین احمد، صاحبِ تصنیف ہیں۔ انھوں نے ۱۹۱۱ء میں ''صبح صادق'' ۱۹۵۵ء میں ''گلزار صادق''، قلمبند کیں یہ دونوں رسالے نثر میں ہیں اور ان میں حضرت سید صادق شاہ حسینی سرمست کے حالات زندگی رقم ہیں۔ اس کے علاوہ نعتیہ اور مدحیہ کلام جو میرے پیش نظر ہے (۱) شرابا طہورا۔ در مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲) شرابا طہورا۔ در مدح حضرت شیخ محی الدین جیلانی (۳) شرابا طہورا در مدح حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ مولوی بشیر الدین کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ان تحقیقات کے سلسلے میں میرا جانا ناسک ہوا۔ جہاں میری ملاقات مولوی سید بشیر الدین احمد کی صاحب زادی صالحہ بیگم سے ہوئی۔ وہ جوگ واڑہ پنجارہ گھاٹ پر رہتی ہیں۔ یہ علاقہ بڑی درگاہ کے قریب ہے۔ صالحہ بیگم صاحبہ نے مذکورہ نعتیہ کتابیں تحفتاً عنایت کیں۔ ان

کی زبانی پتہ چلا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ تین صاحبزادیاں رضیہ بیگم، حافظہ بیگم اور صالحہ بیگم ہیں۔ ان میں اول الذکر دو بہنوں رضیہ بیگم اور حافظہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے۔ تیسری صاحب زادی صالحہ بیگم اپنے بیٹے قسیم الدین قاضی اور بہو نوشاد بیگم کے ساتھ رہتی ہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب کا مزار مبارک درگاہ صادق حسینی کے بالکل سامنے کی طرف ہے۔

RekhtaDownload.com

ثقافتی اور سماجی سرگرمیاں

مولوی عبدالفتاح اشرف اکثر و بیشتر اپنے وطن گلشن آباد سے دور دراز مقامات میں قیام کرتے تھے۔ خاندانی جاگیردار تھے۔ یہ ساری جائداد گلشن آباد میں ہی تھی۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کا تمام کاروبار اور جاگیروں کی دیکھ ریکھ ان کے چھوٹے بھائی میر غضنفر علی کیا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت ان کے خاندانی شجرے کے علاوہ ان کے والد میر عبداللہ حسینی کی ایک نظم میں بھی ملتا ہے۔ یہ قلمی بیاض جس میں ان کے والد کی نظم ہے، کاما لائبریری ممبئی میں موجود ہے۔ نظم کے اشعار یہ ہیں، ؎

اشرف بھائی ہو طول الحیات　　میر غضنفر علی کے ساتھ
عالم و فاضل کامل ذات　　پاویں تعلیم اور کیمیا ہاتھ
عارف وقت ہو ذوالبرکات　　ہور اونی بوتی نیک صفات ۲۹

مولوی عبدالفتاح کی گلشن آباد (ناسک) اور موضوع سات پور کی جائداد اور حویلیوں کی دیکھ بھال ان کے بھائی میر غضنفر علی ہی کرتے تھے اور ان کی غیر موجودگی میں سارا کاروبار سنبھالنے کی ذمہ داری بھی ان ہی کی ہوتی تھی۔ مولوی عبدالفتاح کے والد میر عبداللہ حسینی بھی اپنے خاندانی بزرگوں کی طرح مولوی، حافظ اور ایک صاحب تصنیف ادیب و شاعر بھی تھے۔

اس بات کی تصدیق عبدالفتاح کی اس تقریظ سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے تاریخ الاولیا میں لکھی ہے۔ اور جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

مولوی صاحب کا زیادہ تر وقت دھولیہ اور ممبئی میں گزرا ہے۔ وہ ممبئی میں رہ کر نہ صرف تدریسی اور تصنیفی کاموں میں مشغول رہتے بلکہ سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اسی زمانے میں ''ارمغان'' نامی اخبار جو ممبئی سے شائع ہوا کرتا تھا۔ اس اخبار کے ۱۴ر نومبر ۱۸۸۲ء جلد نمبر ۱۔ نمبر ۴۹ کے شمارے میں انجمن اسلام ممبئی میں منعقد ایک جلسے کی روداد پیش کی گئی ہے جس سے ان کے سوشل ہونے اور سماجی کاموں میں دلچسپی لینے کا پتہ چلتا ہے۔

اخبار ''ارمغان'' لکھتا ہے کہ:

> ''مسجدوں میں میٹر لگانے کی بابت ایک جلسہ انجمن اسلام بمبئی میں منعقد کیا گیا............ جناب مولوی سید عبدالفتاح گلشن آبادی نے اس جلسے میں شرکت کی اور فرمایا کہ:
>
> ''بالفرض اگر میٹر لگایا جائے گا تو درصورت تبدیل وغیرہ میونسپل کمشنر کے اگر کوئی دوسرا کمشنر اس عہدے پر آیا تو ضرور اس معاملے میں غور کر کے اوس کا محاصل باندھ لینا منظور کرے گا۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ اوس پر ٹیکس نہ لگایا جائے گا تو ہم کو کس طرح یقین ہو کیوں کہ عرصہ ۱۶۔ ۱۷ سال سے صرف پانچ روپیہ سالانہ لیا جاتا تھا۔ اب اوس قانون کو توڑ کر میٹر لگانے کے تجویز ہے۔ تو اس اقرار کو بھی (میٹر پر زیادہ ٹیکس نہ لگایا جائے گا) باطل کرتے ہوئے کتنی دیر لگے گی''۔ ۳۰

۱۸۵۷ء کے غدر کا اثر بمبئی پر نہیں پڑا۔ یہ شہر ابتدا سے ہی مخلوط آبادی کا شہر تھا۔ جس میں گجراتی قوم تشدد پسند نہیں تھی۔ پارسی قوم نے مغربی تہذیب کا کافی حد تک اثر قبول کر لیا تھا۔ مسلمان قوم میں یہاں زیادہ تعداد میمن، بوہرے اور خوجہ لوگوں کی تھی جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے۔ جاگیرداری اور تعلقہ داری کا طمطراق ان میں نہیں تھا۔ اس لیے ان قوموں نے طوفانی فضا اور جذبات کے سیلاب میں بہہ جانے کے بجائے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ

انگریز ہی ان کی حکمران ہیں۔ لیکن شمالی ہند کی سرسید تحریک سے یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی مرعوب تھا۔ جس طرح سرسید نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کی تحریک شروع کی اور ۱۸۶۳ء میں غازی پور میں پہلے مدرسے کی بنیاد رکھ دی۔ بالکل اسی طرح بمبئ کے اعلیٰ خاندان کے تعلیم یافتہ مفکروں نے تعلیم کے معاملے میں عام مسلمانوں کی زبوں حالی کو محسوس کیا۔ اور سرسید احمد خاں کی طرح مذہبی قدروں کو مناسب مقام دیتے ہوئے مسلمانوں کی توجہ جدید علوم خصوصاً انگریزی تعلیم کی طرف کرنا چاہی۔ اس قافلہ کے سربراہ بدرالدین طیب جی تھے یہ پہلے بمبئ کے مسلمان تھے جو اعلیٰ تعلیم انگلستان سے حاصل کر کے آئے تھے۔ اس قافلے نے مسلمانوں کی تعلیمی و علمی اغراض کی خاطر ''انجمن اسلام'' نامی ادارے کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بدرالدین طیب جی نے اس انجمن کے عہدہ دار اور کمیٹی کے ارکان کا انتخاب کیا۔ اس مدرسہ انجمن اسلام کی بنیاد ۲۱ رفروری ۱۸۷۴ء کو بمبئ میں پڑی۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی ۱۸۶۸ء سے ہی الفنسٹن کالج کے پروفیسر بن کر بمبئ آچکے تھے اور ان کا شمار یہاں کے بہترین علماء میں ہوتا تھا۔ چنانچہ بدرالدین طیب جی نے انھیں انجمن اسلام کی ارکان مجلس منتظمہ میں شامل کرلیا۔ اس طرح انجمن اسلام کی تاسیس میں ان کا بھی ایک اہم رول رہا۔ اس کا ذکر سید شہاب الدین دسنوی نے اپنی کتاب ''انجمن اسلام کے سو سال تاریخ وجائزہ'' میں ص نمبر ۱۸ اور ص نمبر ۱۶۰ پر لکھا ہے کہ:

> ''۲۵ رمحرم الحرام ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۷۴ء بروز جمعہ قمرالدین طیب جی (بدرالدین طیب جی کے بھائی) کے مکان پر مسلمانوں کے مختلف نمائندوں نے قوم کی بہبودی اور ترقی کے ذرائع اور وسائل پر غور کیا۔ اس کے بعد طے پایا کہ اس غرض کے لیے انجمن اسلام کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس انجمن کے عہدہ دار اور کمیٹی کے ارکان کا انتخاب اس طرح عمل میں آیا۔

صدر	:	قمرالدین طیب جی
نائب صدر	:	آنریبل ناخدا محمد علی روگھے

خازن	:	مذکورہ بالا عہدہ داران
سیکریٹری	:	(۱) منشی غلام محمد الدین دلوی
		(۲) منشی غلام محمد
ارکان مجلسہ منتظمہ	:	(۱) سید عبدالفتاح
		(۲) مولوی ہدایت اللہ
		(۳) شجاع الدین صاحب
		(۴) رحمت علی محمد سایانی
		(۵) طیب جی احمد بھائی
		(۶) قاضی برہان الدین

(کتاب۔ انجمن کے سو سال۔ مرتبہ۔ سید شہاب الدین دسنوی۔ ص نمبر ۱۷)

لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ اس ادارہ سے کب تک منسلک رہے۔

مولوی عبدالفتاح اپنے اس ممبئی کے دوران قیام میں کتابوں کی تصنیف اور دینی بحث و مباحثہ میں بھی مشغول رہتے تھے۔ پیری و مریدی کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ کئی باشندگان ممبئی آپ کے مرید اور عقیدتمندوں میں شامل تھے۔ ان کے اسی قیام ممبئی کے عرصے میں سرسید احمد احمد خاں بھی لندن کے سفر کے سلسلے میں ممبئی تشریف لائے تھے۔ یہاں ان کا قیام ۸/اپریل ۱۸۶۹ء سے ۱۰/اپریل ۱۸۶۹ء یعنی صرف تین دن رہا۔ حسن اتفاق سے سرسید کی ملاقات مولوی صاحب سے ہوگئی۔ خود سرسید نے اپنے سفرنامہ ''مسافران لندن'' میں اس ملاقات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''شام کے وقت مورخہ ۸/اپریل ۱۸۶۹ء) کو پالن جی ہوٹل بائیکلہ سے نکلے۔ میں اور محمود اور مرزا خداداد بیگ پھر سوار ہوئے اور بھنڈی بازار میں مرزا محمد علی بیگ صاحب سے ملنے کو گئے۔ ان سے ملاقات ہوئی اور ہم سب ایک کتب فروش کی دکان پر بیٹھ گئے اور بازار کے اور لوگوں کے

آنے جانے کی سیر دیکھا کیے۔ وہاں میر اشرف علی (مولوی عبدالفتاح) ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ہمارا وطن اور یہ کہ ہم کہاں جاتے ہیں پوچھا۔ جب کہ انھوں نے جانا کہ ہم دلّی کے رہنے والے ہیں وہاں کے لوگوں کا حال پوچھا.......... سید الاخبار کا ذکر کیا اور کہا سید احمد ایک شخص دلی میں تھے جنھوں نے رسالہ تسہل فی اعمال جرِّ ثقیل اور رسالہ نتائج الافکار فی اعمال الفرجار اور آثار الصنادید لکھی ہے۔ اور جواد الدولہ ان کا خطاب تھا۔ اب وہ کس طرح ہیں اور کہاں ہیں۔ میں نے کہا فضل الٰہی سے بہت خوش و خرم ہیں اور آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ دفعتاً کھڑے ہوگئے اور نہایت خوشی اور شوق سے مصافحہ کیا اور بغل گیر ہوئے اور دیر تک کچھ ریاضی کے اور کچھ مسائل فقہ اور تقلید وغیرہ کی باتیں کرتے رہے۔" اسے

مولوی عبدالفتاح کی عرفیت میر اشرف علی تھی۔ اس پیراگراف میں سرسید نے یہی عرفیت لکھی ہے۔ ۱۸۶۹ء میں مولوی صاحب کی عمر عزیز تقریباً باون سال تھی اس لحاظ سے شاید انھوں نے مولوی صاحب کے لیے ایک بزرگ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

☆☆☆

سیر و سیاحت کا شوق

مولوی عبدالفتاح کی ابتدائی تعلیم گلشن آباد میں ہوئی۔ لیکن علوم متعارفہ کے حصول اور سرکاری ملازمت کے شوق میں سیر و سیاحت کا خوب لطف بھی اٹھایا۔ گلشن آباد، ناسک، گجرات، دھولیہ اور ممبئی وغیرہ ان کے تعلیمی مراکز رہے۔ ملازمت کے سلسلے میں دھولیہ اور ممبئی میں رہنا پڑا۔ مگر ممبئی ان کا سب سے پسندیدہ شہر رہا۔ یہیں انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا اور یہیں سپرد خاک بھی ہوئے۔ انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں ممبئی کو ''دارالریاست'' اور ''کلاں ترین شہر'' کا نام دیا ہے۔ ان کی چند تصانیف جو میری نظر سے گزری ہیں ان میں ممبئی کے علاوہ پونا، کھنڈالہ اور ماتھیران کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ وہ تبدیلیٔ آب وہوا کی خاطر اکثر ان مقامات پر جایا کرتے تھے۔ ان کی ایک کتاب جس کا نام ''کتاب اول فارسی آموز'' ہے اس کے سبق نمبر ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ:

''بطرف غربی ہندوستان معمورہ بمبئی دارالریاست این بلا داست و آں کلاں ترین شہر ہائی ہنداست۔ ما اینجا سکونت میداریم'' ۳۲

(ترجمہ: ہندوستان کے مغرب میں معمورہ ممبئی شہروں کی دارالریاست ہے۔ یہ ہندوستان کے تمام شہروں میں وسیع ترین ہے۔ میں نے اسی جگہ سکونت اختیار کی ہے۔)

اسی کتاب کے ایک اور سبق میں مہاراشٹر کے پر فضا صحت افزا مقام پونا، کھنڈالہ اور ماتھیران کا ذکر ملتا ہے۔ جس کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انیسویں صدی میں بھی لوگ ان مقامات پر تبدیلی آب و ہوا اور تفریح طبع کے لیے جایا کرتے تھے۔ سبق نمبر ۴۸ میں اپنی چھٹیوں سے لطف اندوز ہونے کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

"ہفتہ گذشتہ در مدرسہ رخصت بود۔ روز شنبہ در پونہ بودم۔ یکشنبہ بوقت شام در موضوع کھنڈالہ رسیدم، دوشنبہ و سہ شنبہ در آنجا توقف کردم و بروز چہار شنبہ بمقام ماتھیران آمدم و آن موضوع بر سر کوہ بلند واقع است، بروز پنج شنبہ در آنجا ماندہ۔ بروز جمعہ وقت صبح ساعت دہ اینجا آمدم، بسبب تبدیل و ہوا۔ اکنون طبیعت بہتر است۔"۳۳

(ترجمہ: گذشتہ ہفتہ مدرسہ میں تعطیل تھی۔ سنیچر کے دن پونا میں تھا۔ اتوار کی شام موضوع کھنڈالہ پہنچا۔ پیر اور منگل کے دن وہاں توقف کیا۔ اور بدھ کے دن ماتھیران آیا۔ یہ مقام پہاڑ کی بلندی پر واقع ہے۔ جمعرات کے دن وہاں رہا۔ بروز جمعہ صبح دس بجے یہاں (ممبئی) آیا۔ (یہ سفر) بہ سبب تبدیلی آب و ہوا کے تھا۔ اب طبیعت بہتر ہے)

اس بات سے تو بھی واقف ہیں کہ انگریزوں نے ممبئی اور تھانہ کے درمیان پہلی ریل گاڑی یا ٹرین کی ابتدا کی تھی۔ مولوی صاحب اس سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ اسی کتاب میں انھوں نے اس ابتدائی دخانی ریل کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"در ۱۸۵۴ء ایک ہزار و ہشت صد پنجاہ و چہار عیسوی جماعتی از مالداران انگریز تربیت یافت و از سرکار گورنمنٹ قیصر ہند ملکہ معظمہ انگلستان اجازت خواستند و ابتدائی ساختن ریلوے یعنی راہ آہنی ارابہ دخانی نمودند۔ کرایہ آن کم بیسار و رفاہیت مردمان از ان بے شمار۔ آن مرکب سہ درجہ دارد۔ درجہ اوّل برائی تونگران...... درجہ دویم نیز برائی اکابرات و عملداران وکرایہ آن از درجہ اول کم است۔ و درجہ سویم برائی مردمان عام کم مایہ وکرایہ

آن بسیار ارزاں است۔ این ارابہ دخانی از ہمہ سواریہا بہتر وافضل است
کہ راہ صد میل در سہ ساعت میکند و بہ آرام و آسائش راہ قطع می شود''۳۴؎

(ترجمہ: ۱۸۵۴ء میں انگریزوں کی ایک مالدار اور تربیت یافتہ جماعت نے گورنمنٹ انگلستان ملکہ معظمہ سے ریل گاڑی چلانے کی اجازت مانگی (یہ ابتدائی ریل گاڑی بھاپ کے انجن سے چلتی تھی۔) اس گاڑی کا (دخانی گاڑی) کرایہ بہت کم اور عوام کے لیے سہولتیں زیادہ ہیں۔ اس گاڑی کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ امیروں کے لیے ہے۔..... دوسرا درجہ اکابیر اور عملہ کے لیے ہے اس دوسرے درجہ کا کرایہ بہ نسبت پہلے درجے کے کم ہے۔ اور درجہ سوم عام آدمیوں کے لیے اس کا کرایہ بھی بہت کم ہے۔ یہ دخانی ریل گاڑی تمام تر سواریوں سے بہتر و افضل ہے۔ کیوں کہ یہ سینکڑوں میل کا راستہ تین گھنٹوں میں طے کرتی ہے اور آرام و اسائش علیحدہ ہے کہ جلد پہنچتی ہے۔)

☆☆☆

مولوی عبدالفتاح کی تالیف وتصانیف

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ میں علماء، مشائخ اور صوفیائے کرام نے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے ان کے ذکر کے بغیر اس عہد کی مکمل تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ انہی کے حالات، علمی کمالات اور فیوض و برکات سے یہ عہد روشن اور تابناک ہے۔ اس عہد کے صوفیاء اور علماء جن فضائل اور اخلاق حسنہ کے حامل ہوتے تھے۔ مولوی عبدالفتاح بھی ان تمام خوبیوں اور اخلاقی قدروں کے مالک تھے۔ وہ خوش خوراک، خوش پوشاک، باوضع، بامروت، مرنجان مرنج انسان تھے۔ بزرگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا ان کی عادت میں شامل تھا۔ تقویٰ، پرہیزگاری، طہارت، لطافت تو ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ حق گوئی، بے باکی، خدا ترسی، ہمدردی منکسر المزاجی کا وہ مجسمہ تھے۔ ان کی تصانیف سے بھی ان کے حسن اخلاق کی معتبر شہادتیں ملتی ہیں۔

اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی عیسوی میں ممبئی کے اردو ادب پر گجری زبان، دکنی زبان کے ذخیرہ الفاظ اور سنسکرت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ یہاں باقاعدہ نثر و نظم نگاری کا آغاز ۱۷۹۲ء سے ہوا۔ اس سے پہلے یہاں اردو کی کوئی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر نے دہلی حکومت کی مرکزیت کو ختم کر دیا۔ شمالی ہندوستان میں اس حادثہ کے بعد سیاسی اور معاشی کشمکش نے عوام الناس کو بدحال کر دیا۔ لیکن ممبئی پر اس حادثہ کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

چنانچہ شمالی ہند کی کئی شخصیتیں ممبئی کو اپنا وطن ثانی بنانے پر مجبور ہو گئیں۔ ان لوگوں کے یہاں آنے کی وجہ سے ممبئی کی اردو میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ یہاں کی زبان سے دکنی اور گجراتی کا اثر ختم ہوتا گیا اور اس کے بعد سرسید کی تحریکات کے زیر اثر یہاں کی اردو زبان صاف اور شستہ ہو گئی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کی تصانیف میں یہ فرق واضح طور پر نظر آتا ہے۔ مولوی عبدالفتاح کی درس و تدریس کی زبانوں بھی اس کا اثر ملتا ہے۔ ان کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف عربی اور اردو کے جید عالم تھے بلکہ انھیں گجراتی اور انگریزی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ وہ کثیر التصانیف تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"قریب چالیس کتابیں خورد و بزرگ ہندی و فارسی و عربی میں تحریر کیں اور اکثر ان میں سے مطبوع ہوئیں، شمار ابیات اسی ہزار تک تالیفات کا ہوا ہے۔"[۳۵]

جامع الفتاویٰ کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ:

"تحفہ محمدیہ، تائید الحق، خزانۃ العلوم، اشرف القوانین، صد حکایات، اشرف الانشا، تحفۃ المقال، مصادر الافعال، کلید دانش، تعلیم اللسان وغیرہ۔ چالیس کتب و رسائل عربی و فارسی و ہندی میں سرکاری مدرسوں وغیرہ کے واسطے لکھنے کا اشتغال رکھا۔"[۳۶]

ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"اشرف اللغات و تعلیم اللسان و خزانۃ العلوم وغیرہ چونتیس کتابیں مفید عام مدرسہائے سرکار گورنمنٹ کے واسطے لکھی گئیں۔ ان دنوں سر جان ویلزلی صاحب کی عربی ضرب المثل کی کتاب اور ریوبک صاحب کی فارسی ضرب المثل کا نسخہ مطالعہ میں آیا۔ تب...... فقرات کارآمدنی ان کتابوں سے منتخب کر لیے۔ اور ہندوستانی فارسی عربی اور انگریزی فقرات مترادفات ہم معنی مقابل یک دیگر اس کتاب خزینۃ الامثال میں ایک ہزار سے زیادہ جمع

کیے اور اس کے چار باب مرتب بنائے۔''۳۷

اشرف الانشا کے دیباچے میں کہتے ہیں کہ:

''عمر عزیز خود را وقف این امورات و صرف این تالیفات داشته ......قریب نوزده رسائل مثل خزانۃ العلوم عربی در سه جلد۔ و اشرف القوانین فارسی در دو جلد و خزانه دانش هندی در پنج جلد و کلید دانش و نیز تائید الحق و تحفه محمدیه و صد حکایات و خلاصه علم جغرافیه و مجمع المصادر و الاسماء و تاریخ افغانستان و تاریخ انگلستان وغیره مدون و مطبوع نمود۔''۳۸

مولوی عبدالفتاح کے ان چند حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے درسی علوم کے علاوہ جغرافیہ اور تاریخ اور مذہبی علوم کے تراجم کے علاوہ اسی ہزار اشعار کا خزانہ چھوڑا ہے۔ انھیں تمام علوم میں کمال حاصل تھا۔ درس و تدریس کی مہارت کے ساتھ علم فقہ تفسیر و حدیث وغیرہ میں اعلیٰ درجے کی بصیرت حاصل تھی۔ ان کی درسی کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے تھے اور وہ کتابیں ممبئی کے کالجوں اور اسکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں عبدالفتاح نے اپنی تصانیف کی تعداد چالیس بتائی ہے۔ لیکن مختلف حوالوں سے یہ تعداد صرف بتیس تک پہنچتی ہے۔ ان کی اپنی ایک کتاب میں اس طرح اشتہار ملتا ہے۔

اشتہار

فہرست کتب مطبوعہ مولفہ حضرت مولوی سید عبدالفتاح عرف سید اشرف علی گلشن آبادی مدرّس عربی و فارسی الفنستن ہائی اسکول در بمبئی بر دوکان قاضی فتح محمد صاحب دستیاب می شود۔

(۱)	ہندوستانی پہلی کتاب	قیمت ۳/
(۲)	ہندوستانی دوسری کتاب	۵/
(۳)	ہندوستانی تیسری کتاب	۱۲/
(۴)	صرف ونحو اردو	ایک آنہ/
(۵)	خلاصہ علم جغرافیہ	۱۰/

(۶)	تاریخ افغانستان	عسہ ور
(۷)	تحفۂ محمدیہ	عہ صم
(۸)	تائید الحق	عہ صم
(۹)	کلید دانش ہندی	۳ر
(۱۰)	دیوان اشرف الاشعار	عہ صم
(۱۱)	سراج الفقرا	۲ر
(۱۲)	تعلیم اللسان صرف ونحو انگریزی	۱۲ر
(۱۳)	تحفۃ المقال فی الاصطلاح والامثال عربی، فارسی، انگریزی واردو،	عہ
(۱۴)	کلید دانش	۳ر
(۱۵)	اشرف القوانین	۶ر
(۱۶)	صرف ونحو فارسی۔ اشرف الانشا فارسی	عہ ص
(۱۷)	باقیات الصالحات	ع ر
(۱۸)	اشرف المجالس	۳ر
(۱۹)	رحمۃ العالمین مولود شریف	۳ر
(۲۰)	تاریخ انگلستان	عہ ص
(۲۱)	تاریخ الاولیا	دو روپیہ عہ ص
(۲۲)	فیض عام ودولت بے زوال	عہ ص
(۲۳)	مصادر الافعال چہار زبان	۱۲ر
(۲۴)	خزانۃ العلوم عربی مع ترجمہ	۸ر
(۲۵)	خزانۃ العلوم جلد دوم عربی	۱۲ر
(۲۶)	فارسی آموز جلد اول	۲ر
(۲۷)	فارسی آموز جلد دوم	۳ر

RekhtaDownload.com

(۲۸) اصول فارسی آموز جلد سیوم ۴ر

(۲۹) فارسی خازنہ دانش جلد چہارم ۱۲ر

(۳۰) صد حکایت فارسی ۸ر ۳۹ے

عبدالحلیم ساحل صاحب نے ان کی کل ۳۰ کتابوں (نثری اور شعری) کا ذکر کیا ہے۔ میر وارث علی نے کل ۳۹ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے ''بمبئی میں اردو'' میں ان کی کل ۳۲ کتابوں کے نام لکھے ہیں جو اردو فارسی اور عربی میں ہیں۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کثیر التصانیف تھے۔ انھوں نے گرامر۔ مصادر اور افعال وغیرہ پر جو کتابیں تحریر کیں وہ اس قدر معیاری تھیں کہ یہاں کے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل تھیں۔ ممبئی سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں ان کی کتابوں کے اشتہارات چھپا کرتے تھے۔ اخبار کا نام تھا ''فرحت الاحباب بمبئی۔ ۲۲ر جون ۱۸۷۷ء کے شمارے میں شائع شدہ ایک اشتہار ملاحظہ ہو:

اشتہار کتب مطبوعہ.................. بمبئی

''شائقین کتب۔ مطبوعہ ذیل کو مژدہ ہو کہ جس صاحب کو ذیل کی کتابیں خرید نا منظور ہو تو جناب ابراہیم قاضی صاحب پلبندری کتب فروش کی دوکان مہتمم فرحت الاحباب کے پاس قیمت بھیج کر منگوالیں۔

فہرست کتب مطبوعہ بمبئی

از تالیفات علامی فہامی حضرت مفتی سید عبدالفتاح مولوی سید اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

دیوان اشرف الاشعار	۱ر روپیہ	باقیات الصالحات	۵ر
مصادر الامثال چار زبان	۱۲ر	جامع الاسماء	۱۲ر
تعلیم اللسان	۱۲ر	تحفۃ المقال فی اصطلات امثال	۳ر روپیہ
تاریخ الاولیا جلد اول	روپیہ ۱۳	تاریخ روم وشام	۱۲ر
تائید الحق دررد وہابی	روپیہ ۱	انشائی اشرف در صنائع	روپیہ ۱ر

یہ سب کتابیں بڑی فائدہ مند لائق دید و قابل شنید ہیں۔ تیسرا ارزاں ہیں۔"۴۰

مجھے تلاش بسیار کے باوجود سات کتابیں کریمی لائبریری ممبئی میں چھ کتابیں کاما لائبریری، ممبئی میں اور دو کتابیں ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں اوران کا دیوان مع قصیدہ بردہ کے رضا لائبریری رام پور میں ملا۔ کریمی لائبریری میں موجود کتابوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) کتاب اول، فارسی آموز۔ مولوی سید عبدالفتاح عرف مولوی سید اشرف علی، صاحب مدرس مدرسہ الفنسٹن، ہائی اسکول

جہت تعلیم ۔نوآموزان فارسی خوان مدرس معمورہ بمبئی

در مطبع فتح الکریم واقع بمبئی طبع شد ۱۸۸۵ء

(۲) کتاب دوم ۔اصول زبان فارسی

مولفہ: مولوی سید عبدالفتاح مدرس الفنسٹن ہائی اسکول

باہتمام، سید سراج الدین در مطبع فتح الکریم معمورہ بمبئی

۱۸۸۱ء ترتیب یافت

(۳) کتاب سیوم ۔تشریح الحروف والفاظ

مولفہ سید عبدالفتاح مولوی مدرس عربی و فارسی الفنسٹن ہائی اسکول، مصنف کتب ہندوستانی جہتہ مدارس سرکار گورنمنٹ بمبئی۔ ممتحن عربی و فارسی برای طلباء کالج و اسکول باہتمام سید سراج الدین بن مولوی عبدالفتاح عفی عنہما در مطبع فتح الکریم واقع معمورہ بمبئی ۱۸۸۱ء عیسوی مطابق ۱۲۹۸ء ہجریہ مقدسہ، بار اول۔ مطبوعہ گردید۔

(۴) کتاب چہارم ۔فارسی آموز۔خزانہ دانش

منتخب کتاب محسنی و ذخیرہ الملوک جہتہ طلبائی مدارس فارسی مولفہ مولوی، سید عبدالفتاح عرف مفتی اشرف علی گلشن آبادی۔ بحسب فرمائش بعض احباب۔ باہتمام سید سراج الدین در مطبع فتح الکریم بار اول در معمورہ بمبئی ۔۱۸۸۱ء عیسوی مطابق ۱۲۹۸ ہجریہ

(۵) آمدن نامہ مع ترجمہ ہندوستانی وانگریزی

مولفہ۔ سید عبدالفتاح مولوی۔ مدرس عربی و فارسی۔ الفنسٹن ہائی اسکول۔ در مطبع فتح الکریم واقع بمبئی۔ ۱۸۹۱ء عیسویہ مطابق ۱۳۰۸ ہجریہ مقدسہ مطبوعہ گردید

باردوم۔ تاریخ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۱ء جلد ۱۶۰۰

(۶) اشرف الانشاء۔ کتاب مستطاب فصاحت و بلاغت

مولفہ۔ حضرت مولانا مفتی سید عبدالفتاح المعروف مولوی سید اشرف علی پیرزادہ۔ گلشن آبادی۔ در مطبع حیدری۔ واقع معمورہ بمبئی۔

در ۱۸۷۱ء عیسویہ مطابق ۱۲۸۷ ہجریہ مقدسہ

(۷) تاریخ الاولیاء یہ کتاب جس کا ذکر مختلف اشتہارات میں عبدالفتاح کی تصنیف کے طور پر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جس کی دو جلدیں کریمی لائبریری، ممبئی میں موجود ہیں۔ اس کے مصنف مولوی عبدالفتاح کے فرزند سید امام الدین احمد ہیں۔ تاریخ الاولیا جلد اول کی تقریظ میں خود مولوی صاحب اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ:

''عرصۂ چار سال سے برخوردار نور الابصار سید امام الدین احمد...... مطالعہ کتب متداولہ درس و افتا میں مشغول رہ کر ترجمہ تذکرۃ الاولیا کا لکھنا شروع کیا۔ تمام تحریرات جلد امجد کے مطالعہ کئے ....شب و روز کی زحمت کو عین رحمت ہے گوارا کر کے اس جلد اول کو اختتام کیا۔''[۱۴]

تاریخ الاولیا کی قطعہ تاریخ کئی مشہور شعراء نے لکھی ہے۔ جس میں بمبئی کے مشہور کوکنی شاعر و صحافی فرحت بھی ہیں۔ ان تاریخی قطعات کی حیثیت ایک طرح سے ہدیہ خلوص کی ہوتی ہے۔

کوکنی شاعر و صحافی فرحت کے متعلق ڈاکٹر میمونہ دلوی فرماتی ہیں کہ

''علاؤالدین نام اور فرحت تخلص تھا۔ بمبئی کے کوکنی خاندان خطیب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ عرصہ سے ماہم میں آباد تھے۔ اس لیے مہائمکر کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے۔ فرحت کو گجرات کے مشہور شاعر سمجھو سے تلمذ حاصل تھا۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنی ایک غزل میں بھی

کیا ہے۔

حضرت سمجھو کے بعد اصلاح کی حاجت نہیں'' ۲۴؎

فرحت کو صحافت سے بھی بڑی دلچسپی تھی انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار ''فرحت الاحباب'' جاری کیا تھا۔ اس اخبار کا پہلا پرچہ ۲۱؍ جولائی ۱۸۷۶ء/ ۱۲۵۴ھ کو منظر عام پر آیا تھا۔

کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، ممبئی، کی ایک قدیم لائبریری ہے۔ جس میں فارسی اردو، عربی انگریزی، گجراتی کے کئی قدیم مخطوطات و مطبوعات موجود ہیں۔ اس لائبریری کی مندرجہ ذیل مطبوعہ تصانیف میرے زیر مطالعہ رہیں۔ ان کے مصنف مولوی صاحب ہیں۔

۱۔ کتاب دوم۔ فارسیات مع ضمیمہ وفقرات ۲۔ خزانۃ العلوم

۳۔ اشرف القوانین ۴۔ تحفۃ المقال ۵۔ اشرف الانشاء

۶۔ کتاب صد حکایت

ادارۂ ادبیات اردو، پنچہ گٹہ، حیدر آباد میں مولوی صاحب کی دو کتابیں موجود ہیں۔ جن سے میں نے استفادہ حاصل کیا۔

۱۔ دولت بے زوال و برکت حال و مال۔ مطبع فتح الکریم ممبئی۔ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۵ء)

۲۔ جامع الفتاویٰ۔ مطبع فتح الکریم۔ بمبئی ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء)

رضا لائبریری رامپور میں مولوی صاحب کا ''دیوان اشرف الاشعار'' موجود ہے۔ جس میں قصیدہ بردہ (اردو ترجمہ) شامل ہے۔

مولوی عبدالفتاح کی تصانیف میں صرف دو ہی چیزیں موجود ہیں مذہبی قصیدے، مذہبی رسالے اور مذہبی کتابیں دوسرے درسی کتابیں۔ انیسویں صدی کی ممبئی میں محمد ابراہیم مقبہ کی تعلیمی و درسی کتابوں کے بعد سب سے زیادہ مقبولیت مولوی صاحب کی کتابوں کو حاصل رہی۔ ان کی درسی کتابیں سادہ اور آسان نثر میں ہیں۔ انیسویں صدی کی ممبئی میں ہر طرف علم و ادب کا چرچا تھا اور اہل قلم بنا کس قدردانی کے اپنے ذوق کی تسکین کر رہے تھے۔ مولوی صاحب بھی صوفیانہ تصورات پند و موعظت اور اخلاق آموز خیالات کی ترسیل اپنے مخصوص

اسلوب میں کرتے رہے۔ وہ سخن سنجی کی ابدیت اور دائمی حیثیت کے بھی قائل تھے۔ ان کے قصیدوں کا تسلسل جاذبیت اور دلچسپی ان کی شعری صلاحیتوں کا پتہ دیتی ہے۔ ممبئی کے شعراء نے جہاں فارسی و عربی ادب سے خوشہ چینی کی وہیں مقامی ماحول کو بھی اپنے شعروں میں سمو دیا۔ مولوی عبدالفتاح کی تصانیف چاہے نظم ہو یا نثر مذہبی اثرات سے پُر ہیں۔ آیئے ہم ان کی موجودہ کتابوں کا سرسری جائزہ لیں۔

(۱) کتاب اول: فارسی آموز: مولوی صاحب نے یہ کتاب فارسی سیکھنے والوں کے لیے لکھی تھی۔ اس کی ابتدا عربی و فارسی حروف ابجد سے ہوتی ہے۔ پھر قواعد سے متعارف کرواتے ہیں۔ کل ۵۵/اسباق پر یہ درسی کتاب مشتمل ہے۔ مولوی صاحب کی دوسری درسی کتاب ''کتاب دوم: اصول زبان فارسی'' ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے انھوں نے اس کتاب میں اسما اور مصادر کی گردان اور اصطلاحات کو آسان فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اس کی ابتدا یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً مصلیاً و مسلماً

آ ۔ آمدن ۔ بیا ۔ میا ۔ آینده ۔ خدا ۔ خود ۔ آینده

خوشامد ہمہ را خوش آمد

اس کا آخری صفحہ یہ ہے۔

''نمک بر جراحت پاشیدن یعنی ملامت کردن ۔ عنان تیز نمودن یعنی گرم روشدن ۔ خط کشیدن و قلم کشیدن یعنی باطل کردن ۔ بر دشمن دست یافتن یعنی غالب شدن ۔ حرف زدن یعنی گفتن ۔ ہمچنین اصطلاحات زبان فارسی بسیار ست و آن از مطالعہ کتب مفہوم خواہد شد ۔ تمام شد'' ۴۳

تیسری درسی کتاب ''کتاب سیوم ۔ تشریح الحروف والالفاظ ہے۔ مولوی صاحب کی یہ کتاب بھی سرکاری مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ ان کی چوتھی درسی کتاب جو میرے پیش نظر ہے ''کتاب چہارم فارسی آموز ۔ خزانۂ دانش'' ہے۔ مولوی صاحب کی اس کتاب کے متعلق

ڈاکٹر میمونہ دلوی لکھتی ہیں کہ:

''اشرف نے اپنی ایک درسی کتاب ''خزانہ دانش'' کی ابتدا میں ابیات دیباچہ کے عنوان سے ۴۵ شعر نظم کیے ہیں۔ جن سے اشرف کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔''۴۴؎

ڈاکٹر میمونہ دلوی صاحبہ کی نظر سے کون سی ''خزانہ دانش'' گزری مجھے نہیں معلوم ہے۔ انھوں نے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ اردو زبان میں ہیں۔ جب کہ میرے سامنے خزانہ دانش ہے۔ اس میں زبان فارسی میں اکسٹھ اخلاق آموز حکایتیں ابیات کے ساتھ درج ہیں اور کتاب کے آخر میں ایک قصیدہ ہے جو ۳۸۔ اشعار پر مشتمل فارسی میں ہے۔ اس کتاب کی ابتدا میں مولوی عبدالفتاح لکھتے ہیں کہ:

''بہ حسب فرمائش چند احباب جہتہ مبتدیان فارسی خوان منتخب از کتاب اخلاق المحسنی نمود۔ واز کتاب اخلاق ناصری و اخلاق جلالی و ذخیرہ الملوک وغیرہ چند فواید برآں افزود و بر شصت و یک فصل مرتب ساخت و بعبارت سلیس و مختصر مزین با بیات بزرگان نمود در ہر فصل حکایتی بر محل بطرز جدید مرقوم داشت'' وخزانہ دانش نام نہاد''۴۵؎

آخری صفحہ پر جو قصیدہ ہے اس کا عنوان اور پہلا شعر یہ ہے۔

''قصیدہ در تلازمات علم صرف ماقبل حرف روی مکسور''

ابتدا آسان نماید عشق آخر مشکل است عاقبت درراہ جاناں کار با جان و دل است

آخری شعر ان کے تخلص اشرف کے ساتھ ہے:

تفرقہ در دل نیارو جمع باذات و صفات اشرفؔ از روز ازل عشق نبیؐ را قائل است۴۶؎

مولوی صاحب کی ایک اور درسی کتاب ''کلید دانش فارسی'' جو کریمی لائبریری کی مخزونہ ہے۔ جس پر تاریخ مطبوعہ اس طرح درج ہے:

۱۸۸۱ء/۱۲۹۹ھ۔ مطبع فتح الکریم۔ واقع بمبئی

بار چہارم

یعنی یہ کتاب چوتھی بار شائع ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی درسی کتابیں کافی اہم اور مقبول تھیں۔ اس کتاب کے دیباچے میں وہ فرماتے ہیں کہ:

''فقیر حقیر خادم السادات و العلما عبدالفتاح المدعو سید اشرف علی...... برائی دانش پر نہ زبان خرد اندیش واضح و لائح می گرداند کہ از مدت مدید آرزوی انداشت کہ چند لالی آبدار نصائح و پند بسلک عبارت بطور جواب وسوال درکشیدہ ریب انجمن زبدۂ معنی رسان صبح نفس خلاصہ صبح نفسان معنی رس عالیشان قدر دان ہنرمندان ملجاء غریبان ماوای بیکسان ناخدا محمد علی صاحب روگھے دام اللہ تعالی اقبالہ واجلالہ ساز دوسرمایہ افتخار حسنات براندوز الحمد اللہ و المنہ کہ و دین ولا از کتب علم اخلاق وغیرہ مسائل ضروری شہود و استدلال چون گلہائے ساخت و نام آن کلید دانش نہاد۔''

اس دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے مشہور و معروف شخص ''ناخدا محمد علی روگھے'' نے اس کتاب کی مالی اعانت فرمائی تھی۔ مولوی صاحب نے انھیں ہنرمندوں کے قدردان اور غریبوں اور بیکسوں کے مددگار لکھا ہے۔ انھیں علم وادب سے گہری دلچسپی تھی لوگ ان کی تعظیم کرتے۔ حکومت کے افسران بھی ان کی عزت وتوقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب بمبئی میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ ممبئی کے ایک محلے کا نام بھی ان کے نام پر ''ناخدا محلہ'' رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی ان کے تعلق سے رقمطراز ہیں کہ:

''بمبئی میں روگھے خاندان کے ایک رکن محمد علی گزرے ہیں۔ یہ بڑے خلیق ملنسار اور علوم دینیہ کے ماہر تھے۔ متعدد جہازوں کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ تجارتی دنیا میں ان کا سکہ چلتا تھا جس کی وجہ سے ان کا لقب ناخدا پڑ گیا۔''

اس کتاب کا سوال وجواب اور ایک بیت بطور نمونہ پیش ہے۔

''ص نمبر ۴: سوال: بکدام شغل صرف باید کرد

جواب: تحصیل علوم وتقدیم اعمال آن

بیت: میاسوز جز علم گر عاقلی کہ بے علم بودن بود غافلی

''آمدن نامہ'' ایک چھوٹی سی ڈکشنری ہے۔ جس میں عبدالفتاح نے فارسی الفاظ کے معنی ہندوستانی اور انگریزی زبان میں لکھے ہیں۔ انھوں نے اردو زبان کی اس کتاب کو ''ہندی'' لکھا ہے۔ یہ کل ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

''اشرف الانشاء'' نامی کتاب بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس میں چالیس خطوط ہیں جو انھوں نے ''مکتوبات بنام۔ برخوددار سعادت اطوار اطال اللہ عمرہ'' کے نام لکھے ہیں۔ اور ان خطوں میں علم فصاحت و معانی قواعد اور صنائع بدائع کو آسان زبان میں سمجھایا ہے۔ اور نمونہ کے طور پر بقدر ضرورت کئی قصیدے لکھے ہیں۔ ان میں ایک قصیدہ پرنس الفریڈ شہزادہ انگلستان کی شان میں بھی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائیہ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''در تحصیل علوم معانی و بیان وفنون انشاء چہل مکتوبات جدیدہ و منشات عدیدہ بہ ترتیب تازہ پرداخت و ہر مکتوب را بمنزلہ باب، متضمن بر چندیں قواعد صنائع و بدائع اصول علم انشاء و در ہر قاعدہ چندیں امثلہ نظم و نثر داخل و شامل نمودہ بہ اشرف الانشاء موسوم ساخت''[۲۷]

اس کتاب کا تیسواں (۳۰) خط صنعت توشیح اور صنعت تشریح کے بیان میں ہے۔ مولوی صاحب نے ایک عربی قصیدہ شہزادہ انگلستان کی شان میں لکھا ہے جو اُس وقت دیوان آصفیہ سر سالار جنگ بہادر کے ساتھ بمبئی تشریف لائے تھے۔ سالار جنگ بہادر کی شان میں بھی بارہ اشعار کا ایک قصیدہ لکھا ہوا ہے۔ عربی قصیدے سے پہلے فارسی میں چند اشعار جو لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

از و تریاق گشتہ مہرۂ سم　　بریز و مار زہر خود ز کلکش
ہر اسد دیواز قہرش چو ضیغم　　لب امید از جودش شود بند
بہ پیران عقل آموز و دمادم　　چنین شہزادۂ لندن جواں بخت
خواص ابرنیان نیک مقدم　　زمین ہند ز دِشد رشک گلزار

بسال غضع در بمبئی گذر گرد بماه مارچ فرخ فیض توام
زہر مصرع موشح نام اشرف برائی یاد کارش شد نظم ۸؎

مولوی عبدالفتاح نے یہ قصیدہ الفنسٹن کالج کے پروگرام میں پڑھا اور داد تحسین حاصل کی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

"قصیدہ در قدوم تہنیت شہزادہ انگلستان (پرنس الفریڈ صاحب دام قبالہ) کہ در ۱۲۸۶ ہجریہ/۱۸۶۹ء بہ در بمبئی نزول، اجلال، فرمودہ بودند باقصیدہ دیگر عربی لمولفہ بحضور ایشان خود مولف درمدرسہ کالج خواندہ و گذرانیدہ معزز بصلہ تحسین گردید" ۹؎

مولوی صاحب نے اس کتاب میں کئی قصیدے لکھے ہیں۔ ایک غزل بھی ملتی ہے۔ غزل ہو یا قصیدہ انھوں نے ہر جگہ اپنا تخلص اشرف استعمال کیا ہے۔ چند قصیدوں کے آخری اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بردی اشرفؔ دل خستہ شیدا بلطف خود در توفیق بکشا
(۲) بخشش امید دو عالم زکرم شاہ رسل اوفتادہ بدرت اشرفؔ مسکین رنجور
(۳) روشن دل است از کرم شاہ مرسلین اشرفؔ زراہ دین سوئی دنیا نمی شود

عبدالفتاح کا مطالعہ وسیع تھا انھوں نے فارسی گرامر صرف ونحو پر یہ کتابیں بڑی مہارت سے لکھی ہیں اور فارسی کے مشہور شعرا کا کلام بطور نمونہ بھی پیش کیا ہے اس کے علاوہ خود اپنی غزلیں اور قصیدے بھی جا بجا تحریر کیے ہیں۔ انھیں زبان و بیان پر بے انتہا قدرت حاصل تھی۔ وہ کم لفظوں میں زیادہ بات کہنے کا ہنر جانتے تھے۔ اور جہاں ضرورت ہوتی اپنے موقف کو پھیلا کر بھی بیان کرتے تھے۔ انھوں نے ایک معلم، مورخ، مصنف اور شاعر کی حیثیت سے فعال زندگی گزاری۔ انھیں عربی فارسی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ تعلیم وتربیت سے بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ تدریسی کتابیں لکھ کر طالبان علم وفن میں ذوق وشوق پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کی درسی تصانیف اس امر کی گواہ ہیں۔

کاما لائبریری میں موجود کتاب "صد حکایت" فارسی زبان کی اخلاقی حکایتوں پر مشتمل

ہے۔ ہر حکایت کے بعد عبدالفتاح نے حاصل مطلب کے زیر عنوان بیان کردہ حکایت کا نتیجہ بیت کی صورت میں لکھا ہے۔ اس کے صفحۂ اوّل پر وہ لکھتے ہیں کہ:

"یکی از دوستاں عزیز و محترم نوشتن چند حکایات لطیف در عبادت سلیس فارسی و اصطلاحات آں جہ مبتدیان نو آموز اشارتی فرمودہ بود۔ حذا صد حکایت شیریں از مولفات متاخرین فراہم آوردہ با حاصل مطلب آن درین رسالہ مرقوم ساخت تا نو آموز خوان نجواندن آن شوقی پیدا اید و کسی بقدر دانش خود از آن نفی بردارد و جامع اوراق را بدعائی خیر باد کند" ۵۰؎

صد حکایت بھی ایک درسی کتاب ہے۔ جو مدرسوں کے نصاب میں شامل تھی۔ کاما لائبریری میں ملنے والی دوسری کتاب "اشرف القوانین فارسی" ہے۔ یہ کتاب بھی گرامر کی ہے۔ اس میں بھی جا بجا "ابیات" بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اس رسالے یا کتاب میں صرف ونحو کو آسان فارسی زبان میں تحریر کیا ہے۔ اس کی غرض وغایت کے تعلق سے کہتے ہیں کہ:

"ہر علم را اصول و قوانین معین است و ہر فن را قواعد و ضوابط مقرر...........بعبارت سلیس بانضمام قواعد و فواید ضروری انگریزی و ہندی بسلک تحریر کشیدہ گلدستہ انجمن شایقان این فن گردوانید و بنام "اشرف القوانین فارسی" موسوم ساخت" ۵۱؎

مولوی عبدالفتاح کی ایک اور تصنیف "تحفۃ المقال فی الاصطلاحات والامثال" ہے۔ جو کاما لائبریری میں موجود ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اردو کے لیے "ہندوستانی" کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ اس میں انھوں نے طالب علموں کے لیے اردو فارسی عربی اور انگریزی زبان وادب کی اصطلاحات، فقروں اور مثالوں کے مترادفات پیش کیے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"سر جان ویلزلی صاحب کی عربی ضرب المثل کی کتاب اور ریو بک صاحب کی فارسی ضرب المثل کا نسخہ مطالعہ میں آیا تب کتاب خزینۃ الامثال و

نفحات الیمن ومحاورۃ الالنیہ کے فقرات کے ساتھ اپنے لکھے ہوئے جملوں کے ترجمے مقابلہ کر کے بحسب رغبت ابنائے زمان فقرات کار آمدنی ان کتابوں میں سے منتخب کر لیے اور ہندوستانی فارسی عربی اور انگریزی فقرات مترادفات ہم معنی مقابل یکدگر اس کتاب میں ایک ہزار سے زیادہ جمع کیے اور اس کے چار باب مرتب بنائے اور ضرب المثال عربیہ کو حروف تہجی کی رعایت سے لکھے ہیں اور اس کا نام ''تحفۃ المقال فی الاصطلاحات والامثال'' رکھا۔ ۵۲؎

مولوی صاحب کی ایک اور تصنیف ''خزانۃ العلوم'' بھی ہے اکثر جگہوں پر انھوں نے اس کی چار جلدوں میں شائع ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن اس لائبریری میں صرف جز اول یعنی پہلی جلد ہی موجود ہے۔ یہ کتاب انھوں نے عربی کے طالب علموں کے لیے تحریر کی تھی اس میں عربی جملوں کے ساتھ ہندوستانی یعنی اردو زبان میں اس کے معنی تفصیل سے دیئے ہیں۔ یہ بھی سلیس اور سادہ عربی زبان میں ہے۔ مدرسوں اور کالجوں میں کتابیں پڑھاتے اور علوم سکھاتے ہوئے انھوں نے اگلے پچھلے علماء کی تصانیف و تالیف سے آسان مضامین منتخب کر لیے تھے۔ اور ان مضامین کو طالب علموں کی آسانی کے لیے وقت ضرورت شائع بھی کرواتے رہے۔ کئی بار سرمایہ کی کمی کے باعث وہ پریشان بھی ہوئے لیکن بہی خواہ دوست ان کی مدد کرتے رہے اور کچھ مدد انگریزی سرکار سے بھی ملتی رہی اور ان کی تالیف وتصانیف شائع ہوتی رہی ہیں سرکاری مدارس کے لیے انھوں نے کل (۳۴) کتابیں تحریر کی ہیں لیکن تفصیل میں انھیں کتابوں کی لکھ رہی ہوں جو مجھے لائبریریوں میں مطالعہ کی غرض سے حاصل ہوئیں۔ جن میں سے کچھ کتابوں کی میں نے فوٹو اسٹیٹ کاپی بنوائی ہے۔ بہرحال اس کتاب ''خزانۃ العلوم'' کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے:

''میں نے لوگوں کی رغبت عربی زبان میں علوم وادب سیکھنے پر دیکھی تب جو الفاظ جملے اور حکایتیں کہ اکثر بولنے میں آتے ہیں سلیس عبارت میں چن لیا۔ تا مبتدی کو ان کا مطلب سمجھنا اور اصطلاح اور باریکیاں دریافت

کرنا آسان ہو جاوے...... میزان سے لے کر شرح ملا تک پڑھتے پڑھتے مبتدی کو ایک دریا پیرنا پڑتا تھا۔ اور کئی برس نحو میں صرف کر کے منطق معانی وغیرہ علوم رسمی معقول و منقول کے درسی کتابوں میں اکثر طالب علم اڑتا تھا...... اب درگاہ علیم الحکیم سے امید قوی ہے کہ خزانہ علوم کے حاصل کرنے کی راہ بآسانی بنی ہے''۵۳

ادبی اور لسانی نقطہ نظر سے ان کی تصانیف میں تحقیق و جستجو کا گہرا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ وہ نہ صرف عربی فارسی اور ہندوستانی (اردو) کے جید عالم تھے بلکہ گجراتی اور انگریزی پر بھی دسترس حاصل رکھتے تھے۔ زبانوں کی مہارت کے ساتھ ساتھ تجسس اور تحقیق کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ نیز زبانوں کی ساخت اس کی اصطلاحوں، امثالوں، فقروں اور ترکیبوں سے بھی دلچسپی تھی۔ ایک ماہر لسانیات کی طرح انھوں نے فارسی، عربی، اردو اور انگریزی زبان کی مصطلحات پر کام کیا۔ آسان زبانوں میں گرامر اور قواعد لکھیں۔ ان کی ادبی کاوشوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ صرف 'اردو علم و ادب' کے لیے خود کو وقف کر دیتے تو بمبئی کی اردو دنیا میں ان کی نظیر مشکل سے ملتی۔

مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی کی دو کتابیں (۱) جامع الفتاویٰ (جلد چہارم) اور (۲) دولت بے زوال و برکت حال و مآل۔ ادبیات اردو۔ حیدر آباد میں موجود ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اردو زبان میں ہیں۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں اردو زبان کو ہندی۔ ہندوی اور ہندوستانی ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے لاطینی مصنفین نے اردو زبان کو ''لینگو اندوستانی'' کا نام دیا ہے۔ ۱۶۱۶ء میں مسٹر پول نے اردو کو ہندوستانی لکھا ہے۔ ۱۷۸۷ء میں جان گلکرائسٹ نے اردو کے لیے ہندوستانی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی اردو کا نام ہندوستانی تحریر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شجاعت علی لکھتے ہیں کہ ''ڈنکن فابس نے اپنی اردو قواعد کا نام ''ہندوستانی گرامر'' رکھا۔ اسی کتاب میں صفحہ ۴۸ پر حاشیہ میں تحریر ہے ''ہندوستانی یا اردو ریختہ''۔ ۵۴ صوفیائے کرام اور علماء نے

اردو کا نام ہندی لکھا ہے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن پاک کا ترجمہ ''ہندی'' کے نام سے کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی بتایا ہے کہ گجرات کے صوفیوں کی زبان فارسی تھی۔ لیکن کبھی ہندی میں اپنے مفہوم و مطلب کو بیان کرتے تھے قرآن کا مطلب بھی اسی زبان میں بیان کیا جاتا۔ میاں مصطفیٰ نے بھی اسی زبان میں کہا ہے:

ہندی پر نا مارو طعنا　　سبھی بتاویں ہندی معنا
یہ جو ہے قرآن خدا کا　　ہندی کریں بیان سدا کا
لوگو کو جب کھول بتاویں　　ہندی میں کہہ کر سمجھاویں ۵۵

شمالی ہند میں بھی میرؔ کے زمانے تک اردو کے لیے ہندی کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ میر کا ایک شعر ہے:

کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سرور قلب
آیا نہیں ہے لفظ یہ ہندی زباں کے بیچ

مولوی عبدالفتاح ان دونوں کتابوں کو اردو (ہندی) میں لکھنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:

''بنظر فواید عام مسلمین فرمائش کی باعث ان سب مسائل کو ترتیب ابواب سے جمع کر کے اکثر عبارت کا ہندوستانی ترجمہ بنا کر جدا جدا چند جلدوں میں داخل و شامل کر دیا کیوں کہ اس زمانے میں عربی خواں طالب علم کم ہوتے جاتے ہیں۔ بلکہ مفقود ہیں۔ خدا چاہے تو ہندی ترجمے پر سے عربی کے پڑھنے کا شوق مسلمانوں میں پیدا ہووے۔.......... اور نام اس کتاب کا جامع الفتاویٰ رکھا'' ۵۶

اس کتاب کی غرض و غایت کے بارے میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ جب دھولیہ ضلع خاندیش کی عدالت میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے تب انھوں نے دیکھا کہ ہر سال سیکڑوں سوال و جواب نکاح طلاق، میراث، ہبہ اور وصیت وغیرہ کے متعلق عدالت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اور ان تمام استفسار کے جوابات ججوں اور مصنفوں کی خواہش پر خود مولوی صاحب اسلام کی مقتدر کتابوں مثلاً ہدایہ و درالمختار، فتاویٰ عالمگیر، فصول عمادی۔ سراجیہ

اور شرح وقایہ وغیرہ سے ترجمہ کر کے ان سرکاری عدالتوں کو بھیجا کرتے تھے۔ اس طرح ان کے پاس کئی مسودے تیار ہو گئے۔ انھیں مسودوں اور فتوؤں کا اردو ترجمہ یہ کتاب ہے جس کا نام انھوں نے جامع الفتاویٰ رکھا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر منقسم تھی انھوں نے اس کتاب کے آخری صفحات پر اس کی چاروں جلدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلی جلد میں عقاید و اصول فقہ کے کل پینتالیس (۴۵) سوالات کے جوابات لکھے ہیں اور یہ جلد کل ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت یک ونیم روپیہ ہے۔

دوسری جلد میں حنفی و شافعی علما کے مسلک اور مسائل کا موازنہ اس عہد کے ہندوستانی علماء سے کیا اور عبادت اور عقیدہ کا صحیح طریقہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب بھی تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت بھی یک ونیم روپیہ یعنی ڈیڑھ روپیہ ہے۔ جلد سوم میں نکاح، طلاق، ہبہ، وصیت اور فرائض میراث کے اہم مسئلوں کو پیش کیا ہے۔ یہ بھی ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ڈیڑھ روپیہ قیمت کی ہے۔ جلد چہارم میں انھوں نے سنت جماعت کے مختلف علماء کی تصانیف کو پیش کیا ہے یہ بھی ۳۰۰ رصفحات کی ڈیڑھ روپیہ قیمت کی کتاب تھی۔

میرے پیش نظر جامع الفتاویٰ کی صرف جلد اوّل ہے۔ جس کی فوٹو کاپی ادبیات اردو حیدر آباد سے حاصل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس عہد میں مسلمانوں میں کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جیسے وہابی، خارجی، لہابی، لامذہب، غیر مقلد، ان فرقوں کی وجہ سے اس وقت کے علماء دین پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان خواہ حنفی ہوں یا شافعی اپنے مسلک پر قائم رہیں۔ اور اپنے مذہب کی تقلید نہ چھوڑیں اور انھیں خدا کی ذات سے یہ امید تھی کہ عام مسلمانوں کو اس کے پڑھنے سے فائدہ حاصل ہوگا اس کتاب پر ان کے ہم عصر علماء کے دستخط مع مہر ثبت ہیں۔ ان علماؤں میں خود سید عبدالفتاح حسینی قادری۔ سید امام الدین احمد گلشن آبادی۔ عبدالحمید بن ابراہیم باعکظہ (خطیب جامع مسجد، بمبئی) قاضی عبداللطیف (قاضی شہر جزیرہ بمبئی) شاہ جہاں رفاعی عماد الدین بن سید وغیرہ شامل ہیں۔ اس کتاب کا پہلا سوال اس طرح ہے۔

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اور فقہائے شرع مبین زاد ہم اللہ شرفاً و تعظیماً اس باب میں کہ سیکھنا علم کا جس طرح مردوں کو فرض ہے اسی طرح عورتوں کو بھی فرض ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔'' ۵۷

اس طرح پوری کتاب میں کل پینتالیس (۴۵) سوال ہیں۔ جن کے جوابات مدلل طور پر مختلف کتابوں کے حوالوں سے دیئے گئے ہیں۔

ادارہ ادبیات اردو میں پائی جانے والی ان کی دوسری کتاب ہے۔ ''دولت بے زوال و برکت حال و مال'' بقول مصنف اس کتاب میں ایک سو (۱۰۰) مسائل اسباب مفلسی درج ہیں۔ جن سے پرہیز کرنا لازم ہے اور ایک سو مسائل برکت کے عمل اور فوائد کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں جن پر پڑھنے والا اگر عمل کرے تو تونگری ''حال و مال'' کی حاصل ہوتی ہے۔ اس کتاب کی نثر کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

''جو چالیس حدیثیں یاد کرے گا قیامت کے دن علما کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔

......پاک بدن اور کپڑا رکھنا کہ رزق میں دنیا کے برکت ہوتی ہے......

......نماز جماعت کے ساتھ ہمشہ پڑھنا جس سے نیک بختی اور تونگری اور برکت آتی ہے۔'' ۵۸

مولوی صاحب نے بعض حکایتوں کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مفلسی کن چیزوں کے سبب آتی ہے۔ اس لیے ان تمام چیزوں سے پرہیز لازمی ہے جو مفلسی کا باعث بنتی ہیں۔ اس کے بعد دنیا یعنی تونگری حاصل کرنے کے سو عمل بھی بتائے ہیں۔ جیسے کہ:

''استغفار بہت پڑھا کرے رزق وسیع ہوگا۔ اور ادفتحیہ دعا گنج العرش ہمیشہ پڑھا کرے...... بہت صدقہ خیرات دینے سے رزق زیادہ ہوتا ہے۔'' ۵۹

مولوی عبدالفتاح سنی عقائد کے حامل تھے۔ مذکورہ کتاب کا قطع تاریخ منشی رکن

الدین بن شیخ احمد تمنّا نے لکھا ہے۔ وہ اس کتاب کے کاتب بھی تھے۔ قطعہ تاریخ فارسی زبان میں ہے۔ ان تاریخی قطعوں سے بعض اوقات محققین کی رہنمائی بھی ہوتی ہے۔ اور کتاب کے سنہ تصنیف کا پتہ بھی چلتا ہے۔ قطعہ یہ ہے:

قطع تاریخ

دولت بے زوال را دیدم ہر ورق خوش نما چو گلشن سیر
مفلسان راچہ مایۂ اقبال اغنیارا ہمائی اوج بطیر
بہ تمنّا چہ خوب ہاتف گفت سال طبع کتاب تحفہ خیر ۶۰

۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء

مولوی عبدالفتاح نے مذہب، تصوف اور ارکان اسلام سے متعلق کئی رسالے اور کتابیں تصنیف کیں جو انیسویں صدی کے مصنفین اور عوام کے مذہبی رجحانات اور شغف کا مکمل ثبوت ہیں۔ انھیں علم و ادب سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ مولوی عبدالفتاح صاحب تصنیف ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی عربی، فارسی اور اردو شاعری کے اشعار قصیدے، غزلیں اور قطعات ان کی تصانیف میں بکھری پڑی ہیں۔ ان کے ایک نعتیہ دیوان ''دیوان اشرف الاشعار'' کا ذکر کرتے ہوئے ''ڈاکٹر میمونہ دلوی رقمطراز ہیں کہ

> ''دیوان اشرف الاشعار: اشرف کا یہ دیوان ۱۲۷۹ھ میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں غزلیات، نعت اور مناقب شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اشرف المجالس کے نام سے سورہ قدر کی منظوم تفسیر بھی دی گئی ہے۔ یہ دیوان اب نایاب ہے۔ اس کا تذکرہ کریمی لائبریری ممبئی کی فہرست کتب میں موجود ہے''۶۱

فاضل مصنفہ نے جس دیوان کو نایاب بتایا ہے وہ مجھے رضا لائبریری رامپور میں ملا۔ کریمی لائبریری کی فہرست میں اس کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ ''دیوان اشرف الاشعار'' رضا لائبریری میں موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۷۴ ہے اور یہ دیوان مطبع حیدری بمبئی ۱۲۸۵ھ میں طبع

ہوا۔ اس دیوان میں غزلیات، نعت اور مستزاد کے علاوہ ان کا ترجمہ کردہ مشہور نعتیہ قصیدہ بردہ بھی شامل ہے سرورق پر اس کا نام اور سنہ تصنیف تحریر ہے۔

"دیوان اشرف الاشعار

مفتی سید عبدالفتاح الحسینی القادری عرف سید اشرف علی گلشن آبادی کا معمورہ ممبئی کے مطبع حیدری میں باہتمام قاضی ابراہیم صاحب پلبندری چھاپا گیا۔

۱۸۶۸ء/۱۲۸۵ہجری" ۶۲

اس دیوان کے صفحۂ اول پر مصنف کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے یہ نعتیہ کلام طالب علموں کے پڑھنے اور سننے کے لیے لکھا تاکہ ان کے دلوں میں رسولؐ پاک کی محبت وعظمت بنی رہے.......... وہ لکھتے ہیں کہ:

"شکر ہے اس خالق ذوالجلال والجمال کا جس نے اپنی قدرت کاملہ اور صفت بالغہ سے اوّل نور محمدی پیدا کر کے اسے ابوالارواح بنایا۔ اور اجرام علوی اور سفلی ان کے نور سے ظہور میں لاکر خلعت خلافت کبریٰ وصغریٰ سے ابوالبشر کو زیب وزینت بخشا، اور درود نامحدود او پر رسول اکرم اور نبی معظم محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم واصحابہ سلم کے جنھوں نے سبھوں کو شریعت کا رستہ بتایا اور فیضان ظاہری وباطنی مومنین کے دلوں میں مالامال کر کے ان کو منزل ولایت سے محل کرامت پر پہنچایا۔ اور او پر آل واصحاب ان کے جو رہنمائے دین اور پیشوائے اہل یقین ہیں۔ ہمیشہ نازل ہوجیو ÷ امابعد فقیر حقیر مفتی سید عبدالفتاح الحسینی قادری عرف سید اشرف علی ابن مرحوم مغفور سید عبداللہ حسینی پیرزادہ گلشن آبادی عفی اللہ عنہما وعن جمیع المسلمین عرض رکھتا ہے۔ کہ چند اشعار مدح ہندی وفارسی لغت ومنقبت میں انبیا اور اولیا کے حقیقتا گوہر شب چراغ جن کے رشک سے خود کو صدف کے حجرے میں مخفی کرتا ہے۔ اور جواہر آبدار جن کے وزن ورنگینی کی حسرت سے معدن زمیں میں

پوشیدہ رہتا ہے۔ اپنی سعادت دارین اور برکت کونین جان کر شوق ازلی اور ذوق لم یزلی کے باعث زبان قلم اور قلم زبان پر لاتا ہے۔ تا طلباؤں کو ان کے پڑھنے اور سننے سے محبت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بڑھے اور عارفوں کو جذبہ شوق و حالت ذوق حاصل ہووے۔ شائقین و مومنین و مریدین معتقدین کے واسطے لکھ دیا اور ثواب جزیل اور اجر جمیل کی امید سے تمام منظومات کو اس دیوان نعت رسولؐ میں جمع کیا تا مقبول ہووے اور نجات ملے۔"[۶۳]

اس دیوان میں ۷۲ قصیدے مدح رسول پاکؐ میں ہیں۔ دوسرے قصیدوں کے نام اس طرح ہیں۔ (۱) قصیدہ مدح غوث (۲) قصیدہ صفت ابجد (۳) قصیدہ صنعت حرفین (۴) قصیدہ فارسی صفت حرفین (۵) قصیدہ در مدح حضرت علیؓ ابو طالب (۶) قصیدہ در مدح حضرت امام ابوحنیفہؒ (۷) قصیدہ در مدح حضرت امام شافعیؒ (۸) قصیدہ مناجات فاتحہ (۹) قصیدہ وجدانی، ان کے علاوہ ایک اور قصیدہ اردو زبان کا سترہ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس سے اس دیوان کی تاریخ مطبوعہ و تصنیف کا پتہ چلتا ہے۔ قصیدہ کے تاریخی اشعار یہ ہیں:

ہوا دیوانِ مدح احمد مطبوع جب ایسا   حضور قدس میں طبع مقدس کی رسائی ہے
کہا رضوان نے دیوان دیکھ دو تاریخ مطبوعی   بہار قول فیضاں، باغ مدح مصطفائی ہے

۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء

ان قصیدوں کے علاوہ اس دیوان میں غزلیں، مسدس، مخمس، اور مستزاد بھی شامل ہیں۔ قصیدہ مترجم بردہ اور قصیدہ تاریخ دیوان کے علاوہ ان کا زیادہ تر کلام بزبان فارسی ہے۔ مولوی صاحب کا ترجمہ کردہ "قصیدہ بردہ" اس دیوان کے صفحہ نمبر ۸۷ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۹۶ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا سنہ تصنیف انھوں نے قصیدے کے آخری اشعار میں اس طرح لکھا ہے۔

جب قصیدہ بردہ کا توفیق سے اللہ کے   ترجمہ اشرف نے لکھا خوب در ہندی زبان

داخل غفران مترجم بھی طفیلی بن گیا — کاہ پر گلشن کے فیض ابر ہے رحمت رسان

باعث رحمت ہے، اشرف آج تک ذکر نبی — سال بارہ سو پہ اسی ہجریہ این زمان

۱۲۸۰ھ   ۶۴

مولوی صاحب کا یہ دیوان ۱۲۸۰ھ میں مکمل ہوا۔ لیکن اس کا سال مطبوعہ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء ہے۔ عبدالفتاح کے نعتیہ کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اہل تصوف کا شعرا امتیاز ہیں۔ انھوں نے اپنے قصیدوں میں رسول پاکؐ کا ذکر جس والہانہ عقیدت و محبت سے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسلامی ادبیات میں حمد و مناجات کے بعد نعت کو ایک اہم مرتبہ حاصل ہے۔ کیوں کہ اہل ایمان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ تعریف کی مستحق رسول پاکؐ کی ذات مبارک ہے۔ اردو شاعری میں نعتیہ شاعری کے بہترین نمونے ملتے ہیں اس کے علاوہ اردو زبان و ادب کے ابتدائی دور کی مثنویوں میں حمد و نعت کی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ قدیم مثنویوں میں بھی رسول پاکؐ کی مدح و توصیف کی گئی ہے۔ بعض مثنویوں میں سیرت رسول عربی کے علاوہ عربوں کے حالات و واقعات کی عکاسی بڑی عمدگی سے کی گئی ہے۔ اردو شاعروں نے اپنی شاعری میں نعت گوئی کے تسلسل کو قائم رکھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی شاعروں کا نعتیہ کلام نورناموں، معراج ناموں اور میلاد ناموں کی شکل میں موجود ہے۔ عام طور پر نعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کی ثنا، ظاہری و جمالی صفات، شجاعت و سخاوت، دیانت و امانت، صداقت و عدالت کے ساتھ ساتھ آں حضرتؐ کے باطنی حسن کی تعریف خلق و ہدایت کا بیان حسب و نسب اور اصحابہ کے ذکر کے علاوہ دیگر نبیوں کے مقابلے میں آپؐ کی فضیلت کا بیان ہوتا ہے۔ صنف نعت میں رسول پاکؐ کی مدح اور توصیف کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اشرف الاشعار میں جو نعتیہ قصیدے مولوی صاحب نے لکھے ہیں وہ اس صنف کے بہترین نمونے ہیں۔ ممدوح سے عقیدت، تعلق خاطر، اور جذباتی ربط سے بھرپور عبدالفتاح کا یہ ایک نذرانۂ عقیدت ہے۔ ایک عاشق رسول پاک نعت گوئی کی بنیاد کسی علم و فن کے معیار پر نہیں بلکہ اپنے دلی جذبات، پاکیزہ احساسات اور اخلاص و عقیدت کی بنا پر

رکھتا ہے۔ بڑے بڑے صوفی، عارف اور بزرگان دین نے صنف نعت میں طبع آزمائی کی ہے۔ رسول اللہؐ پر اپنے تصور میں ہی خلوص و محبت کے بے شمار پھول نچھاور کئے۔ ان کی مدح سرائی کی اور ساتھ ہی اپنے عجز و قصور کا اعتراف بھی کیا وہ جانتے تھے کہ دنیا بھر کے سمندروں کے پانی کو روشنائی بنا کر حضورؐ کے صفات اور کمالات لکھیں تو یہ روشنائی تو ختم ہو جائے گی مگر آپؐ کے اوصاف حسنہ ختم ہی نہ ہوں گے۔ ایران کے مشہور معروف صوفی شاعر عبدالرحمن جامی نے بارگاہ نبویؐ میں نعت شریف کا خراج پیش کرنا چاہا مگر یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　　من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ۶۵

(یعنی، حضور آپ کی مدح و ثنا کما حقہ تو ممکن ہی نہیں۔ بس مختصر بات یہ ہے کہ خدا کے بعد سب سے زیادہ بزرگ و مقدس ہستی اگر کوئی ہے تو یا رسول اللہؐ بس آپ ہی کی ذات بابرکات ہے)

مولوی عبدالفتاح نے اس نعتیہ دیوان میں عربی زبان کے مشہور و معروف ''قصیدہ بردہ'' کا ترجمہ نہ صرف طلباء کے لیے بلکہ رسول پاکؐ سے قلبی لگاؤ اور اس قصیدے کو عالم اسلام میں جو شہرت حاصل ہے اسی کے پیش نظر انھوں نے اس کا سلیس اردو ترجمہ کیا۔ دیوان میں شامل دوسری نعتیں اور مناقب فارسی زبان میں ہیں۔

ترجمہ ایک مشکل کام ہے۔ ترجمہ کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو دونوں زبانوں سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اور مولوی صاحب کو عربی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اس قصیدے کی مختلف زبانوں میں کئی ترجمے ہوئے اور کئی شرحیں وجود میں آئی ہیں۔ کیوں کہ امام محمد بن سعید بوصیری متوفی (۶۹۴ھ/ ۱۲۹۴ء) کا تحریر کردہ قصیدہ بردہ شریف اہل علم اور عاشقان رسول پاکؐ میں بہت مقبولیت رکھتا ہے۔ کسی اور عربی قصیدے کو یہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی کیوں کہ یہ رسول اللہ کا مقبول و منظور قصیدہ ہے۔ اس کا ایک ایک شعر محبت و عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ آج بھی اس کے قدردان اس قصیدے کا ورد کرتے ہیں اور

اسے اپنے وظائف و معمولات میں شامل رکھتے ہیں۔ عبدالفتاح کے عہد میں ممبئی اور مضافات ممبئی میں محفل میلاد اور میلاد ناموں کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ یہ میلاد نامے شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں پڑھے جاتے تھے ان محافل میلاد میں حضرت کعب بن زہیر اور خطیب ابوبکر بغدادی کے قصیدوں کے ساتھ بوصیری کا قصیدہ بردہ شریف بھی احترام کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔

بوصیریؒ کا یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اور شرحیں شائع ہو چکی ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی شعرا نے اس کے ترجمے فارسی اور اردو زبان میں کیے ہیں۔ مولوی عبدالفتاح کا ترجمہ سلیس اردو میں ہے۔

مشرقی زبانوں میں نعتیہ شاعری

عربی فارسی اور اردو ادب کے شعری مجموعے کا ایک بڑا حصہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ عربی زبان تو نعتیہ اشعار کا ایک خزانہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کیوں کہ یہ زبان قرآن مجید کی زبان ہونے کے باعث ایک مقدس زبان مانی جاتی ہے۔ آغاز اسلام سے تاحال عربی شعراء نعت رسول پاکؐ سے اس زبان کے دامن کو مالامال کرتے رہے ہیں۔ عربی نعت گو شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے زیادہ شہرت عام اور بقائے دوام امام محمد بن سعید بوصیریؒ کے "قصیدہ بردہ" کو حاصل ہے۔ آج دنیا میں جہاں بھی رسول اللہؐ کے پروانے موجود ہیں وہاں بوصیریؒ کا قصیدہ بردہ بھی موجود ہے۔ اس تاریخ ساز قصیدے نے امام بوصیری کو بے انتہا شہرت بخشی ہے۔ آیئے ان کی حالات زندگی کا مختصر جائزہ لیں۔

امام بوصیریؒ ساتویں صدی ہجری کے ایک ممتاز عالم دین اور عربی زبان و ادب کے مشہور صوفی شاعر گذرے ہیں۔ ان کا نام مختلف ترجموں میں مختلف طریقوں سے لکھا ہوا ملتا ہے۔ قاضی عبدالکریم ابن الحاج قاضی نور محمد (مرحوم) کے مرتبہ عربی ترجمے میں ان کا نام امام الشیخ محمد ابن سعید بوصیری" لکھا ہوا ہے۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی نے اپنے ترجمہ میں ان کا نام "ترجمہ قصیدہ بردہ تصنیف قدوۃ العلما امام محمد البوصیریؒ" لکھا ہے۔ محمد عبدالمجید غفر اللہ الحمید

کامٹی (۱۹۲۰ء) نے اپنے مرتب کردہ قصیدہ بردہ میں شاعر کا نام ''امام صالح شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن حسن البوصیری'' لکھتے ہیں۔ اسی طرح مختلف رسالوں اور تذکروں میں ان کا نام کہیں امام محمد بن سعیدؒ اور کہیں شرف الدین ابی عبداللہ محمد بن سعید المصر ی البوصیریؒ لکھا ہوا ملتا ہے۔ تاریخ ادبیات عربی کے مصنف، شاعر اور قصیدہ بردہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''امام محمد بن سعید البوصیریؒ۔ قصیدہ بردہ شریف کی وجہ سے زندہ جاوید ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قصیدے کے لکھنے کے بعد آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خواب میں آپ کو ایک چادر عنایت فرمائی تھی۔ اسی سبب سے یہ قصیدہ ''بردہ شریف'' کے نام سے مشہور ہوگیا، .... عربی قصائد اور نظموں میں جتنی مقبولیت اس قصیدے کو حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔''۶۶

امام بوصیریؒ کے قریب تر عہد کے فاضل علما صوفیا، حضرت جلال الدین سیوطیؒ علامہ ابن العباد حنبلی، ابن شاکر کستبی، اور پطرس بستانی نے بھی ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔۶۷ امام بوصیریؒ کے ایک شاگرد علامہ ابن سید الناس نے ان کی شاعری اور اس قصیدے کی اعلیٰ خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ ماہر تاریخ داں پروفیسر آر۔ اے نکلسن نے بھی ان کے قصیدے اور حالات زندگی پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"The Qasidatu'l- Burda (Mantle Ode) of al-Busiri is a hymn in praise of the Prophet. Its author was born in Egypt in 1212 A.D. We Know Scarcely anything Concering his life, Which as he himself declares, was passed in writing poetry and in paying court to great, but his biographers tell us that he supported himself by copying manuscripts, and that he was a disciple of the eminent Sufi Abu-l Abbas Ahmed al-Marsi. It is said that compsed the "Burdha". While suffering from a strock which paralysed one half of his body. After praying God

to heal him, he began to recite the poem. Presently he fell asleep and dreamed that he saw the Prophet, who touched his palsied side and threw his Mantle (burda) over him. "Then" Said Al-Busiri. "I awoke and found my self able to rise. "However this may be the Mantle ode is held in extra ordinary veneration by Muhammdans. Its verses are often learne by heart and inscribed in golden letters on the walls of Public buildings, and not only is the whole poem regardes as charm against evil, but some peculiar magical power is supposed to reside in each verse seperately. Although its poetical merits is no more than respectable, the Burda may be read with pleasure on account of its smooth and elegant style with interest as setting forth in brief compass the medaeval legend of the Prophet a legend full of prodigies and miracles in which the historical figure of Muhammed is glorified almost beyond recognition. ۲۸؎

پروفیسر آر۔اے نکلسن، محمد فیاض الدین نظامی بہزادِ دکن سید محمد احمد قاری، جناب نفیس احمد مصباحی، سید ابوالفضل وغیرہ کے بیانات اور دوسری مختلف کتابوں کی روشنی میں ہم علامہ بوصیریؒ کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ محمد بن سعید علامہ بوصیریؒ یا حضرت امام شرف الدین محمد البوصیری یکم شوال ۶۰۸ھ ۷ مارچ (۱۲۱۳ء) مصر کے ایک قصبہ دلاص میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب شرف الدین، والد کا نام سعید اور دادا کا نام حماد ہے۔ مصر کے علاقہ بوصیری میں ان کا دادیہال اور دلاص میں ننھیال تھا۔ بوصیریؒ قوم بربر کے صنہاجہ نامی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کو قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''دلامی'' اور مقام سکونت کی طرف نسبت کرتے ہوئے بوصیری بھی کہتے ہیں۔

اس عہد کے رواج کے مطابق بوصیریؒ دینی علوم کی خاطر مصر کے مشہور شہر قاہرہ گئے۔

جہاں انھوں نے پوری لگن، ذہانت اور مستعدی سے تعلیم حاصل کی۔ اور صرف تیرہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور دیگر اسلامی علوم وفنون کی تعلیم بھی مکمل کرلی۔ ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے علم حدیث سیر، مغازی اور علم کلام میں مہارت حاصل کی۔ اس کے علاوہ وہ علم ادب۔ بدیع، علم البیان اور صرف ونحو میں ماہرانہ صلاحیت رکھتے تھے۔ فن خطاطی میں بھی کامل دستگاہ تھی۔ بوصیریؒ تصوف میں حضرت ابوالعباس احمد المرسی (متوفی ۶۸۶ھ) کے مرید تھے۔ بوصیریؒ نے ان ہی سے طریقت وتصوف کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی صحبت میں بوصیریؒ کو وہ شہرت حاصل ہوئی جو ان کے معاصرین میں کسی کو نصیب نہ ہوسکی۔ وہ دس سال تک یروشلم (بیت المقدس) میں رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں تقریباً تیرہ سال تک علوم اسلامی اور قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر اپنے وطن مصر واپس آکر بلبیس (Bilbees) نامی شہر میں کاتب کی حیثیت سے حکومت مصر میں ملازم ہوگئے۔ مصر میں وہ وزیر زین العابدین بن یعقوب بن زبیر کی ملازمت میں کئی سال رہے۔ انھوں نے وہاں کی امراء کی شان میں متعدد قصیدے لکھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ درباری ملازمت میں گزارا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

خدمت بمریج استقیل به دتوب عمر مضی فی الشعر والخدم

۲۹

(یعنی میں نے قصیدہ مدحیہ لکھ کر جناب رسول پاک ﷺ میں ایک عمر کے گناہوں کی عذرخواہی کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ عمر جو شعر گوئی اور درباداری میں بسر ہوئی)

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نعت خوانی کی وجہ سے۔ امراء کے ہاں ان کی قدردانی ہوتی تھی۔ لیکن اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ وہیں انھوں نے تعلیم قرآن کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور دین کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ امام بوصیریؒ ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر فقیہہ، محدث، ماہر خطاط اور حساب داں تھے۔ لیکن ان کو شہرت ایک عربی شاعر کی حیثیت سے ملی۔ انھوں نے توریت اور انجیل کے علاوہ مختلف مذاہب کی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور ان تمام افکار اور عقائد کو رد کیا جو اسلام کے منافی تھے۔ بوصیریؒ کے

بعض قصائد اور حواشی میں ردعیسائیت و یہودیت کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ ان کا دوسرا مشہور قصیدہ لامیہ ہے۔ جس میں ۲۴۰ / اشعار ہیں اس کا مطلع ہے،

جاءَ المسیحُ من الالٰہ رسولاً ؎

تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ امام بوصیریؒ کے کلام میں جو سوز و گداز ملتا ہے وہ ان کے پیرومرشد حضرت ابوالعباس احمد المرسی کے توسط سے ہے۔ امام بوصیریؒ کی علمی حیثیت بھی خاصی بلند تھی اور ساتویں صدی ہجری کے علماء میں انھیں ایک امتیازی استاد کی حیثیت حاصل تھی۔ مختلف کتابوں میں ان کے شاگردوں کے یہ نام ملتے ہیں۔ یہ سبھی شاگرد اپنے وقت کے اہم صوفی اور باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ (۱) شیخ ابو حیان ۔معمری غرناطی متوفی ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء (۲) ابن سید الناس اشبیلی متوفی ۷۳۴ھ/ ۱۳۳۳ء (۳) شیخ یمعری (۴) اور مشہور محقق علامہ عزالدین بن جماعہ جیسے فاضل حضرات نے ان سے علم حاصل کیا۔

علامہ عمر بن احمد آفندی خرپوتی (شافعی) (شارح قصیدہ بردہ بزبان عربی) کے بیان کے مطابق امام بوصیریؒ شافی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ تذکرہ نگار (عربی) حاجی خلیفہ کی روایت کے مطابق ۶۹۴ ھ/ ۱۲۹۴ء میں اور امام سیوطیؒ کی روایت کے مطابق ۶۹۵ ھ/ ۱۲۹۵ء اور مقریزی اور ابن شاکر کی روایت کے مطابق امام بوصیریؒ نے بمقام اسکندریہ وفات پائی۔ اور بمقام فسطاط حضرت امام شافعیؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آج بھی بوصیریؒ کا مزار مبارک مشہور معروف اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ؎

پروفیسر نکلسن نے بوصیریؒ کے عہد کو "ایک شاندار تاریخ کا المناک اختتامیہ" کہا ہے۔ کیوں کہ اُس وقت مصر ایک بڑے انقلابی دور سے گزر رہا تھا۔ مصر و شام بیرونی حملوں اور باہمی کشمکش کا میدان بنے ہوئے تھے۔ عرب کی سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا اثر وہاں کے ادب پر بھی پڑ رہا تھا۔ مصر کے شاعر صفی الدین حلّی کو اپنے عہد کا ترجمان شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے اشعار صنائع و بدائع کی پیچیدگیوں میں الجھے نظر آتے ہیں۔ اس عہد میں وہاں شعر صنعت لفظی کا دوسرا نام بن گیا تھا۔ ساتھ ہی زبان و بیان کی سلاست و فصاحت پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ اس عہد کے یہ نقائص بوصیریؒ کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود قصیدہ بردہ کی

شکل میں انھوں نے ایک اچھا ادب پارہ پیش کیا ہے۔ نعت رسول پاکؐ ان کی شاعری کا خاص موضوع تھا۔ قصیدہ بردہ کے علاوہ ان کا پورا دیوان نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ جو دیوانِ بوصیری کے نام سے مصر (قاہرہ) سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعے میں ہر قصیدہ تشبیب اور نسیب سے شروع ہوتا ہے۔ جو عربی شاعری کا روایتی انداز ہے۔ ہر حرف تہجی میں ان کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ ان میں قصیدۂ ہمزیہ کو بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ اس میں چار سو چھپن اشعار ہیں۔ یہ قصیدہ سیرت النبیؐ کا ایک منظوم خاکہ ہے۔ جس میں رسول پاکؐ کی ولادت طیبہ، شیر خواری، اعلان نبوت، واقعہ معراج، غزوات، فتح مکہ اور حج وغیرہ کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ اہل بیت، صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے۔ قصیدہ کا اختتام صلوٰۃ وسلام پر ہوتا ہے اس کا مطلع ہے۔

کَیفَ تَرقیٰ رُقِیکَ الْاَنبِیَاءُ　　یَاسَمَاءً مَاطَاوَلَتھَا السَّمَاءُ ۲؎

(ترجمہ آپ کی بلندی تک انبیائے کرام کی رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟ اے اوج ورفعت کے وہ آسمان کہ کوئی آسمان بلندی میں جس کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔)

علامہ یوسف بن اسماعیل بنہانیؒ نے اپنی تالیف ''المجموعة البنهانیه'' میں امام بوصیریؒ کا ایک طویل قصیدہ نقل کیا ہے۔ جو زہیر بن کعب کے مشہور زمانہ قصیدہ بانت سُعاد کی زمین میں ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

اِلٰھِی مَتیٰ اَنْتَ بِاللَّذَاتِ مَشْغُولَ
وَ اَنْتَ عَنْ کُلِّ مَا قَدَّمْتَ مَسْئُولَ ۳؎

مذکورہ بالا قصائد کے علاوہ بوصیریؒ کے ''قصیدہ مضریہ کو بھی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ عرب ممالک میں اور ہندوستان وغیرہ میں قصیدہ بردہ کی طرح قصیدہ مضریہ بھی محافل میلاد اور مجالس ذکر میں بڑے والہانہ انداز میں پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ عَلَی الْمُخْتَارِ مِنْ مُضَرِ
وَالْاَنبِیَا وَ جَمِیعُ الرُّسُلِ مَاذُکِرُوا ۴؎

امام بوصیری نے کئی نعتیہ قصائد تحریر کیے ہیں اور یہ سبھی قصیدے فنی اور ادبی حیثیت

سے عربی ادب میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ لیکن قصیدہ بردہ نے انھیں مقبولیت عطا کی اور نعت گو شعرا میں ایک امتیازی مقام دلایا۔

علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری اپنی تالیف ''طیب الوردۃ'' میں اس قصیدے کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دن امام بوصیریؒ بادشاہ کے دربار سے اپنے گھر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک بزرگ دوست شیخ ابورجاؒ سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے امام بوصیریؒ سے سوال کیا کہ تم نے کبھی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی یا نہیں؟ بوصیریؒ نے عرض کیا میں آج تک حضور پاکؐ کی زیارت سے محروم ہوں۔ بوصیریؒ کہتے ہیں کہ اس جواب کے بعد میرے دل میں حضور پاکؐ کی عشق اور محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا ہوا اور اپنے دل میں سوائے رسول پاکؐ کی محبت کے اور کچھ محسوس نہ کرتا تھا۔ گھر آکر جو سویا تو اسی شب خواب میں محبوب دوعالمؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور میں نے حضور پاکؐ کو صحابہ کرام کے ساتھ اس شان سے دیکھا جیسے چاند ستاروں کی جھرمٹ میں ہو۔ جب آنکھ کھلی تو خود کو زیارت رسول پاکؐ کی برکتوں سے مسرور پایا۔ اور دل کی دنیا میں یہ انقلاب آیا کہ آنحضورؐ کی محبت سے دل ہر وقت سرشار رہنے لگا۔ اور اسی زمانے میں چند نعتیہ قصیدے لکھے گئے۔ قصیدہ مضریہ اور قصیدہ ہمزیہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

سید محمد احمد قادری، امام بوصیریؒ کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک روز اچانک بوصیریؒ پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس سے ان کے جسم کا نصف حصہ مفلوج ہوگیا۔ علاج معالجے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ جب شفایابی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ایک قصیدہ حضورؐ کے مدح میں لکھوں۔ اور اس قصیدے کے ذریعے اس باب الشفاء سے اپنے لیے شفا طلب کروں۔ چنانچہ اسی حالت میں یہ قصیدہ نظم کیا، قصیدہ کی تکمیل کے بعد جب بوصیریؒ سو گئے تو خواب میں اسی مسیح کونین شفا دارین کی زیارت نصیب ہوئی اور انھوں نے اسی عالم رؤیا یہ قصیدہ رسول پاکؐ کے سامنے پڑھا۔ قصیدہ کے اختتام پر انھوں نے دیکھا کہ سرکار دوعالمؐ نے اپنا دست شفا ان کے جسم پر پھیرا اور اپنی ردائے رحمت (چادر) انھیں اوڑھادی۔ بوصیریؒ اسی وقت شفایاب ہوگئے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا جسم پر بیماری کا

نام ونشان تک موجود نہیں ہے اور ایسے تندرست ہو گئے گویا بیماری کبھی لاحق ہی نہ ہوئی تھی۔
اسی خوشی اور مسرت کے عالم میں علی الصباح اپنے گھر سے نکلے تو راستہ میں وہی بزرگ شیخ ابورجاؒ الصدیق مل گئے۔ فرمانے لگے امام بوصیریؒ مجھے وہ قصیدہ عنایت فرمایئے جو حضور اکرمؐ کی نعت میں آپ نے کہا ہے۔ چونکہ اس قصیدے کا علم بوصیریؒ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ انھوں نے کہا کون سا قصیدہ؟ میں نے کئی نعتیہ قصیدے لکھے ہیں۔ شیخ ابورجاءؒ نے فرمایا وہ قصیدہ سناؤ جس کا مطلع یہ ہے۔

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعاً جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمِ ۵۷

امام بوصیریؒ نے حیرت سے پوچھا۔ "یا ابا الرجاء من این حفظتها" یعنی اے ابوالرجاء! یہ قصیدہ آپ نے کہاں سے یاد کیا۔ میں نے یہ قصیدہ سوا اپنی سرکارؐ کے کسی کو اب تک نہیں سنایا ہے۔ نہ کوئی شخص اس وقت میرے پاس آیا جس کو یہ قصیدہ میں نے سنایا ہو۔"
ابوالرجاء رحمۃ اللہ نے فرمایا "لقد سمعتها البارحته تنشد ها بین یدی النبی ﷺ وهو يتمايل و يتحرك استحسانا تحرك الاغصان المثمره بهبوب نسيم الرياح" یعنی "اے بوصیری، یہ قصیدہ گذشتہ رات میں نے اس وقت سنا جب تم دربار رسالت پناہ ﷺ میں عرض کر رہے تھے اور اسے سن کر حضور پاکؐ خوشی میں سرشار ہو کر اس طرح جھوم رہے تھے جس طرح پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں بادِ صبا کے جھونکوں سے جھومتی ہیں۔" یہ سن کر بوصیریؒ نے فوراً وہ قصیدہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر یہ بات ملک کے گوشے گوشے میں عام ہو گئی۔

سید محمد احمد قادری، حضرت ملا علی قاریؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اس قصیدے سے بوصیریؒ کے صحت یاب ہونے کی خبر مصر کے بادشاہ الملک الظاہر کے وزیر بہاؤالدین تک پہنچی۔ انھوں نے قصیدہ بردہ شریف کی نقل حاصل کی اور عہد کیا کہ اس قصیدہ مبارکہ کو روزانہ برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑے ہو کر سنوں گا۔ چنانچہ اس کی برکتوں سے وہ اور ان کے اہل خانہ دنیا و آخرت کی بے شمار بھلائیوں اور کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے۔ وہیں ایک

شخص (سعد الدین) کو آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہوا۔ حتیٰ کہ اس کی بینائی جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔ اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ بہاؤالدین سے بردہ لے کر آنکھوں سے لگالے۔ وہ شخص وزیر بہاؤالدین کے پاس گیا اور اپنا خواب بیان کیا۔ بہاؤالدین نے کہا بردہ تو معلوم نہیں ہاں حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نعت میرے پاس ہے۔ جو شفا امراض میں ایک خاص اثر رکھتی ہے جس کے وسیلے سے میں بارگاہ خداوندی میں شفا کی درخواست کرتا ہوں۔ چنانچہ سعد الدین نے وہ قصیدہ لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصیدے کی برکت سے انھیں آشوب چشم سے شفا عطا فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام بوصیریؒ کو فالج سے شفا اور رحمت کی ردا تو عطا فرمائی لیکن ان کے قصیدہ بردہ کو "داروئے شفا" بھی بنایا اور ایسی مقبولیت عطا کی کہ تقریباً آٹھ سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی اسے عقیدت اور وظیفے کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ ۷۶

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نعتیہ کلام یا مدحیہ قصیدے کو رسول پاکؐ نے خود پسند فرمایا ہے۔ جب حضور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو انصار کی لڑکیوں اور لڑکوں نے نعتیہ اشعار گاتے ہوئے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ان اشعار میں انھوں نے حضور پاکؐ کو بدر کامل سے تشبیہہ دی تھی۔ کعب بن زہیرؓ پہلے ہجو یہ اشعار لکھتے تھے۔ مگر فتح مکہ کے بعد انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اور نعتیہ کلام کہتے رہے۔ حسان بن ثابتؓ دربار رسالت کے نعت گو شاعر تھے۔ عبد اللہ بن رواحہؓ نے بھی والہانہ انداز میں نعتیں کہیں ہیں۔ صحابہ کرام نے بھی اپنی نعتوں میں حضورؐ کے حسن جمال اور سیرت پاک کا نقشہ کھینچا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت کرم اللہ وجہہؓ بھی شعر کہتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضور پاکؐ کے مداح شعراء کی تعداد (۱۸۱) ایکسو اکیاسی تھی۔ جس میں بارہ خواتین بھی شامل تھیں۔ ۷۷ ان میں حسان بن ثابت کو اولیت اور فوقیت حاصل تھی۔ حسان نے سرور کائنات کا ایک مرثیہ لکھا ہے جو ان کی شاعری کا بہترین نمونہ کہا جاتا ہے۔ ایک مستند روایت ہے کہ کعب بن زہیر خون بدر ہونے کے بعد گاؤں گاؤں اور افراد قبائل میں مارے مارے پھرتے رہے لیکن کسی نے ان کو پناہ نہ دی۔ اس لیے ۹ ھ میں وہ ایک رات چپکے سے مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کی معیت

میں فجر کی نماز کے وقت رسول خداؐ کے سامنے حاضر ہوکر اپنی خطاؤں پر معافی مانگی، توبہ کی اور اسلام قبول کرلیا۔ آنحضرتؐ نے ان کو امان دے دی اس پر کعب بن زہیر نے اپنا مشہور قصیدہ ''اعتذاریہ'' سنانا شروع کردیا۔ ان کی شاعری میں اظہار حقیقت نمایاں تھا۔ ان کے قصائد زندگی کے ہر شعبے پر روشنی ڈالتے ہیں وہ تشبیب میں اپنے عشق کی داستانیں سناتے تھے۔ زہیر نے اپنے نعتیہ قصیدے ''بانت سعادُ'' (یعنی سعاد چلی گئی) کو عربی روایت کے مطابق تشبیب سے شروع کیا اور اسے اپنی محبوبہ ''سعادُ'' کے فراق سے آغاز کیا۔ اس قصیدے میں پہلا حصہ تشبیب پر مشتمل ہے جو بارہویں شعر تک چلا گیا ہے۔ جس میں محبوبہ کا سراپا ہے۔ دوسرا حصہ جو تیرہویں شعر سے شروع ہوکر تیئیسویں شعر پر ختم ہوتا ہے اس میں اونٹنی کا ذکر ہے جو شاعر کو محبوبہ کی نگری تک پہنچاتی ہے۔ اس کا بڑا حصہ نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ جو اس قصیدے کی جان ہے۔ اس میں شاعر آنحضرتؐ سے معذرت اور مہاجرین کی تعریف کرتا ہے۔ جب زہیر بن کعب نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔ ۸ے

ان الرسول لسیف یستضاء بہ　　مھند من سیوف اللہ مسلول

فی عصبۃ من قریش قال قائلھم　　ببطن مکہ لما اسلمو ازدلوا

زا لو فمازال انکاس ولا کشفت　　عند اللقا ولامیل معازیل

شئم العرنین ابطال لبو سھم　　من نسبج داؤد فی الھیجا اسرابیل

یعنی آپؐ اللہ کی وہ تلوار ہیں جو اپنی روشنی اور نور میں ہندوستان کی آبدار اور چمکیلی تلوار کی طرح ہے۔ اس کے بعد مہاجرین کی تعریف کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہجرت کا حکم ملتے ہی اپنے گھر بار سب کو چھوڑ کر خدا کی راہ میں ایک نئی دنیا بسائی اور جب جنگ کا موقع ہوا تو بزدلی نہیں دکھائی بہت ہی مضبوط قسم کی زرہیں پہن کر جنھیں گویا حضرت داؤد نے بنایا ہو میدان کارزار میں کود پڑتے ہیں۔ ۹ے

اس قصیدے کو سن کر آنحضرتؐ اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو اوڑھادی۔ یہ سب سے بڑا انعام تھا جو ایک شاعر کو اس کی زندگی میں دیا گیا۔ اسی چادر کی وجہ

سے اس قصیدے کا نام قصیدہ بردہ پڑ گیا۔ زہیر بن کعب کو ان کی زندگی میں رسولؐ پاک سے بردہ (دھاری دار چادر) حاصل ہوا۔ اور امام بوصیریؒ جیسے خوش نصیب شاعر اور عاشق نبیؐ کو خواب میں حضورؐ نے اپنا بردہ اوڑھایا۔ اس تمام ذکر سے ثابت ہوتا ہے کہ انعام کا دارومدار جذبہ خلوص اور نیک نیتی پر ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ زہیر کے قصیدے کے سینکڑوں نسخے اور اس کی شرحیں یورپ، ایشیا اور افریقہ وغیرہ ممالک کے کتب خانوں میں مخطوطات و مطبوعات کی شکل میں موجود ہیں۔ آج بھی بعض عرب ممالک میں سیرت نبویؐ کے جلسوں میں امام بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ کے علاوہ اس قصیدے کو بھی عام طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ عربی ادب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زہیر بن کعب نے سرور کائنات کی ردا مبارک پاکر خوشی کا اظہار کیا۔ اور کیوں نہ کرتے وہ ان کے لیے آخرت کا توشہ تھا۔ جب تک وہ بقید حیات رہے اس چادر مبارک کی جان سے زیادہ حفاظت کی۔ چونکہ یہ چادر مبارک خلفاء کے لیے باعث امتیاز اور مسند خلافت کے لیے ایک مبارک نشانی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لیے حضرت معاویہؓ نے اس ردا مبارک کو زہیر بن کعب سے خریدنا چاہا۔ لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ ان کے انتقال کے بعد ۴۱ھ میں ان کے بیٹوں سے بیس ہزار دینار دے کر یہ چادر خرید لی۔ حضرت معاویہؓ اسے جمعہ اور عیدین کے موقع پر تبرکاً پہنتے تھے۔ پھر یہ چادر مبارک عباسی خلفا میں پہنچی۔ یہ لوگ بھی تہواروں کے موقع پر تبرکاً اس کو اوڑھتے تھے۔ خاندان عباسیہ کے افراد اس ردا مبارک کو اپنے ساتھ ملک شام میں لائے وہاں سے یہ قاہرہ پہنچی۔ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم عثمانی نے مصر کو فتح کر لیا تو یہ چادر مبارک مال غنیمت کے ساتھ استنبول لے جائی گئی۔ اگرچہ قاہرہ یونیورسٹی کے تاریخ الاسلام کے پروفیسر ڈاکٹر حسین مونس حاشیۃ المتمدن الاسلامی (بحوالہ ڈکشنری) اسمائے عرب از ڈوزی ایمسٹرڈم (۱۸۴۵ء) اس بردہ مبارک کا بغداد سے عباسیوں کے ہمراہ دمشق و قاہرہ استنبول پہنچنا مشکوک بتاتے ہیں۔ مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا یہ شک غلط ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ ردائے محمدؐ زمانے کی دست برد سے محفوظ رہے اور اس لامذہبیت کے دور میں ایمان کی شمع فروزاں رکھے۔ آمین ۸۰؎ امام بوصیری کو عطا کردہ ردائے رحمت بوصیری کے بعد کن ہاتھوں میں پہنچی اور اب کہاں ہے اس کی جستجو و تلاش جاری ہے۔

قصیدہ بردہ کی شرحیں اور ترجمے

امام بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ نے اسلامی شعروادب اور مدح ونعت کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا اس قصیدے نے بہت سے شعراء کو نہ صرف نعت گوئی کی طرف متوجہ کیا بلکہ ان میں مدحت رسول پاکؐ کی سچی رغبت اور والہانہ شوق بھی پیدا کردیا عربی اور اسلامی اشعار کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس سے بہتر اشعار کہے جاچکے ہیں۔ جن میں نحو وبلاغت کی خوبیاں، ادبی وفنی محاسن، شاعرانہ بانکپن، بندش کی چستی، معانی کی لطافت، تشبیہات و استعارات کی ندرت قصیدہ بردہ سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر جو جاذبیت و مقناطیسیت اور تازگی اس قصیدے میں ملتی ہے دوسرے میں نہیں ہے۔ یہ قصیدہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اور ہر بار اکتاہٹ کے بجائے دلچسپی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قصیدہ بردہ کو وہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کی تشریح وتوضیح کرنے اور اس کے پوشیدہ معنی اجاگر کرنے کو اہل علم وفن اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف زبانوں میں اس کی کئی شرحیں معرض وجود میں آچکی ہیں، آرہی ہیں اور آتی رہیں گی۔ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری اپنے مضمون میں مشہور ترکی عالم اور ماہر کتابیات مصطفی بن عبداللہ المعروف بہ حاجی خلیفہ کی شہرہ آفاق کتاب کے

حوالے سے مندرجہ ذیل شرحوں کے نام دیئے ہیں۔

(۱) ابن ادریس مراکشی نے خواۃ البردہ فی برء الداء نامی شرح لکھی ہے۔

(۲) محمد بن احمد مرزوق التلسمانی اظہار مقدق المودۃ اور طیب الحبیب (صد)

(۳) جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافی الانوار القصیدہ فی مدح خیر البریہ

(۴) شیخ زین الدین خالد بن عبداللہ ازہری کی مفصل شرح کا نام ہے۔ الزبدۃ فی شرح قصیدہ بردہ

(۵) محی الدین محمد بن مصطفی شیخ زادہ راحۃ الارواح

(۶) علی بن محمد ہروی المعروف ملا علی قاری الزبدۃ

(۷) عبدالواحد بن احمد الانصاری شفاء القلب الجریح

(۸) لاطینی زبان: ۱۷۶۱ء میں لیڈن سے بردہ کا متن لاطینی ترجمے کے ساتھ چھپا اس کا نام ہے۔ Carmen Mysticum Borda Dictum اور اس کی ایک کاپی محمد فیاض الدین نظامی کی تحریر کے مطابق کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) حیدرآباد میں موجود ہے۔ ۸۱

(۹) پہلا جرمن ترجمہ ۱۸۲۵ء میں دوسرا ۱۸۴۷ء اور تیسرا اوشنائی سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔

(۱۰) فرانسیسی ترجمہ ۱۸۵۲ء میں یروشلم سے اور ۱۸۹۴ء میں پیرس سے شائع ہوا۔

(۱۱) بمبئی سے ۱۸۹۳ء میں شیخ فیض اللہ بھائی لقمان جی اور کلاوسٹن نے قصیدہ بردہ کے انگریزی ترجمے شائع کیے۔

(۱۲) ترکی زبان میں ایک ترجمہ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ تاتاری زبان میں بردہ کا ترجمہ ۱۳۰۰ھ میں دوسری بار چھپا۔ ۸۲

(۱۳) فارسی زبان میں سب سے معروف ترجمہ مشہور صوفی شاعر ملا محمد عبدالرحمن جامیؔ کا ہے۔ دوسرے ایرانی شاعروں نے بھی اس کی فارسی شرحیں لکھی ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی شعرا نے فارسی زبان میں شرح لکھی ہے۔

محمد فیاض الدین نظامی نے لکھا ہے کہ:

''اس قصیدے کو میں نے ۱۹۵۶ء مسجد نبوی کی چھت کے گنبدوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا دیکھا ہے۔'' ۸۳

ہندوستان میں اس کے اردو ترجمے اور شرحیں کئی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ میری نظر سے بھی چند ترجمے گزرے ہیں جو اس طرح ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف ''یورپ میں دکھنی مخطوطات'' میں صفحہ نمبر ۳۹۲ پر اس قصیدے کا ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس قصیدے کا ترجمہ نگار سید محمد نامی شخص ہے۔ اسی شاعر کے بارے میں ڈاکٹر ابو محمد سحر لکھتے ہیں کہ:

''اورنگ زیب نے ۱۰۹۷ھ میں ۱۶۸۵ء میں بیجاپور اور ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۶ء میں گولکنڈہ فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ تو اورنگ آباد شاعری کا مرکز بن گیا۔ اسی دور میں سید محمد نے عربی کے مشہور قصیدے موسوم بہ قصیدہ بردہ کا دکنی ترجمہ کیا'' ۸۴

بلوم ہارٹ کے کیٹلاگ کی صراحت میں نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے کہ قصیدہ بردہ عربی نظم کا دکنی ترجمہ مصنف سید محمد۔ اصل عربی نظم سیاہی سے اور اس کے نیچے سرخی میں ترجمہ ہوا ہے۔ ''کتب خانہ نواب سالار جنگ (مرحوم) کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست'' میں نصیر الدین ہاشمی نے صفحہ نمبر ۱۰ (دس) پر 'ترجمہ قصیدہ بردہ' کا ذکر کیا ہے۔ اس ترجمہ کے مصنف محمد بن رضا ہیں۔ اس ترجمہ کی تاریخ تصنیف ۱۱۲۰ھ ۱۷۰۸ء ہے۔ یہ ترجمہ بھی دکنی اردو میں ہے۔ اس مخطوطے کے پہلے صفحہ پر بسم اللہ کے بعد ہی قصیدہ مترجم شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے دو شعر اس طرح ہیں:

جگ کے انجواں سوں ملا جاوے کہا لہو دمبدم اے محب کر یاد توں ہمسایہ شہر سلم

یا چمک بجلی کی دیکھا رات کو وہ اضم یا چلی ہے باد خوشبو کاظمہ کے شہر سوں

یہ کل ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اردو ترجمہ کا سبب سات اشعار میں بیان کیا ہے۔ پہلا شعر ہے۔

تھا عربی میں جو مشکل ہے اوسے کرنا فہم　　　جس کئے تصنیف روشن دل محمد موصلی

فارسی کے مشہور شاعر عبدالرحمن جامیؔ نے سب سے پہلے اس قصیدہ عربی کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ شاعر کہتا ہے کہ جامیؔ کی تقلید میں اس نے قصیدہ کا ترجمہ دکنی زبان میں کیا ہے۔

اوس بدل یو خوشہ چیں خرمن اہل کلام　　　شرح دکھنی سوں کیا صفحہ اوپر شیریں رقم

اس کے بعد ۱۳۱ اشعار حمد میں ہیں۔ پہلا شعر ہے:

اس قصیدے بردہ کا چادر لیا ہوں سیس پر　　　حشر میں ہوں منجہ پناہ جب ہویگا سورج گرم

ایک شعر میں مصنف نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:

خادم آل محمدؐ یو محمد بن رضا　　　رحمت باری تعالیٰ جس پو ہے دم بدم

عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں یہ دکنی ترجمہ کیا گیا۔ شاعر اسی ترجمے میں اس طرح اشارہ کرتا ہے:

اس ولی دو جہاں کے گنج کا گنجینۂ دار　　　واقف راز پنہاں ہور مشفق صاحب رحم

در دریای سیادت شاہ عبداللہ ہے　　　بادشاہ ملک دل کا جان اسکو بے وہم

خاک راہ اوس شاہ کی درکاہ عالی جاہ کا　　　ہور یقین دلوں اس کا ہے غلام بے درم

۸۵

سالار جنگ میوزیم لائبریری میں ایک اور اردو ترجمہ اس قصیدے کا موجود ہے۔ جس کے مصنف ہیں محمد اسد اللہ حسین قادری اور اس ترجمے کا نام ''شمیمہ وردہ قصیدہ بردہ'' ہے۔ یہ ترجمہ نواب میر عثمان علی خان نظام الملک آصف جاہ کے عہد میں لکھا اور طبع ہوا ہے۔ اس کا نمبر ۹۱۷۲ ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ انھوں نے ترجمہ مولوی محمد شمس الزماں خاں صاحب قادری تحصیلدار کی ترغیب پر کیا ہے۔ اس ترجمہ میں مصنف نے ہر شعر کی شرح میں امور ذیل کا لحاظ رکھا ہے۔

(۱) تقطیع (۲) شعر کا شعر میں اردو ترجمہ (۳) حل لغات وتفسیر الفاظ مفردہ۔ وترکیب نحوی (۴) ترجمہ صاف اور واضح (۵) حاصل جس میں انھوں نے شعر کے مطلب کی توضیح کی

ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا اردو میں اس اصول پر کوئی شرح نہیں لکھی گئی ہے۔ پہلے دو شعر یہ ہیں:

آ گئے کیا یاد احباب جوار ذی سلم — اشک خون آلود ہے آنکھوں سے جاری دمبدم
یا ریاض کاظمہ کی سمت سے آئی نسیم — یا شب تاریک میں چمکی ہے بجلی بر اضم

اس کا زمانہ تصنیف ۱۳۴۵ (۱۹۲۶ء) ہے۔

قصیدہ بردہ شریف ایک اور ترجمہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں ہے۔ یہ ترجمہ بھی طبع شدہ ہے۔ اس کے ترجمہ نگار محمد فیاض الدین نظامیؔ (بہزاد دکن) ہیں۔ نظامی نے اردو ترجمہ سے پہلے امام بوصیریؒ کے عربی قصیدہ کے اشعار اس کے بعد حضرت ملا عبدالرحمن جامی کا فارسی ترجمہ اشعار پھر اپنا ترجمہ کیے ہوئے اشعار لکھے ہیں۔ اس کی ابتدا یا صرف نظامی کے اردو ترجمہ کے اشعار یہ ہیں۔

کیا تمھیں یاد آ گئے ہمسایہ گان ذی مسلم — یا صبا لائی ہے سمت کاظمہ سے ایک پیام
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دمبدم — یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہ اضم ۸۶

مولانا آزاد لائبریری: علی گڑھ میں قصیدہ بردہ کی تین اردو ترجمے طبع شدہ میری نظر سے گزرے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

ایک ترجمہ جو مختلف مجموعہ قصائد نعتیہ میں شامل ہے۔ اس کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے۔

''حسب فرمائش اجل الحاج جناب مولوی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵''

اس میں چھ عربی قصیدے اردو ترجمے کے ساتھ شامل ہیں۔ مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ پہلے صفحہ پر آخری سطر اس طرح ہے۔

''باہتمام راجی رحمت رب وحید محمد عبدالمجید غفلہ اللہ المجید بماہ مئی ۱۹۲۰ء'' درمطبوعہ مجیدی واقع کانپور مطبوعہ دید'' اس کا نمبر ۸۔ ۸۹۲ء ۱۷ ہے۔

دوسرا ترجمہ ۱۹۱۱ء میں طبع ہوا۔ یہ نسخہ ضعیف ہے۔ اس کا نمبر ہے۔ ۱۲۱، ۸۹۲۷۔

اس ترجمہ کو عالم یلعمی تحریر لو ذعی مولانا مولوی ذو الفقار علی صاحب دیوبندی نے ۱۳۲۹ء/۱۹۱۱ء میں بامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا۔ اس کا نام ہے عطر الوردہ فی شرح البردہ۔

تیسرا ترجمہ اس قصیدہ کا کشف بردہ کے نام سے چھپا ہے۔ اس کے مترجم نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی ہیں یہ مبارک پور اعظم گڑھ میں طبع ہوا۔ طبع اول ۱۴۲۶ھ (۲۰۰۵ء) ہے۔ اس کا نمبر ۸۹۱، ۴۳۱ ہے۔ صباحی صاحب کا یہ ایک بہترین ترجمہ ہے میں نے اس سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ یہ کتاب ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس شرح میں مصباحی صاحب نے مشکل الفاظ کے نحوی اور لغوی تشریح فرمائی ہے۔ ہر شعر کے مفہوم کو دل نشین انداز میں سمجھا کر قرآنی آیات، فرمودات نبویؐ، آثار صحابہ اور ارشادات ائمہ سے ان کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں ایک اور ترجمہ قصیدہ بردہ کا موجود ہے۔ یہ مخطوطہ ہے۔ اس کا نمبر ۳۰۸ ہے اس کے پہلے صفحہ پر درج ہے ''تحفہ محمد احمد اللہ خان'' قصیدے سے پہلے درود شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں پہلی سطر عربی دوسری سطر فارسی اور تیسری سطر اردو ترجمہ ہے۔ آخری صفحہ پر اردو میں ایک نعت ۱۸ اشعار کی لکھی ہوئی ہے۔ عرفی شیرازی کا مترجم قصیدہ بھی یہاں موجود ہے۔

رضا لائبریری رامپور میں ایک کتاب ''قصیدہ وتریہ المجموعہ الفریدہ فی مدح واحادیث مولا خیر الانام'' ہے۔ اس کتاب کو ممبئی کی مشہور شخصیت قاضی عبد الکریم ابن الحاج قاضی نور محمد صاحب مرحوم نے مرتب کیا ہے۔ اور اپنے ہی مطبع ''الکریمی الواقع فی بندر بمبئی'' سے طبع کروایا ہے۔ اس مجموعہ قصائد میں قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ بھی شامل ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۳۱۶ھ یعنی ۱۹۰۱ء ہے۔ اس کا نمبر ۱۷۸ ہے۔

مولوی عبد الفتاح گلشن آبادی کا دیوان ''دیوان اشرف الاشعار'' مطبوعہ حیدری بمبئی سے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں طبع ہوا۔ یہ ایک نعتیہ دیوان ہے، اور تلاش بسیار کے باوجود اس

دیوان کا کوئی نسخہ مجھے ممبئی میں نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس دیوان اور شاعر کا ذکر ''بمبئی میں اردو'' میں کیا ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اپنی تصنیف ''کتب خانہ جامع مسجد کے اردو مخطوطات'' میں ص نمبر ۱۸۴ پر سید عبدالفتاح کے مختصر سے تعارف کے ساتھ ان کے قصائد کے تعلق سے لکھا ہے کہ:

''زیر تعارف بیاض اشرف کے دس اردو اور دس فارسی قصائد پر مشتمل ہے۔ جن کو خود انھوں نے اپنے دیوان قصائد اردو و قصائد فارسی میں نقل کر کے مولانا محمد صدیق ملتانی ثم احمد نگری کی خدمت میں بھیجا ہے۔ پہلا قصیدہ مشہور قصیدہ بردہ کا منظوم اردو ترجمہ ہے باقی رسول اللہؐ، صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی حیدر، حسن و حسینؓ کی شان میں ہیں۔ اس کے آخر میں وہ خط ہے جس کو اشرف نے اپنے اشعار کے ساتھ مولوی صدیق صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اس میں اپنی بے بضاعتی کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی ساتھ مسلکہ قصائد پر روشنی ڈالی ہے۔ اشرف نے یہ خط اور انتخاب دھولیہ سے سنہ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر روانہ کیا ہے۔''[۸۷]

جن قصیدوں اور بیاض کا ذکر ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے کیا ہے وہ مجھے جامع مسجد ممبئی کے کتب خانے میں نہیں مل سکی۔ ممبئی اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ''طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف'' کے نسخے ہیں جس کے شارح علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری ہیں۔ یہ ایک اچھی شرح ہے۔ اس سے بھی میں نے استفادہ کیا۔ کریمی لائبریری انجمن اسلام میں قصیدہ بردہ کے تین مخطوطے ہیں۔ جو مختلف قصیدوں یعنی قصیدہ بانت سعاد، قصیدہ غوثیہ اور دعائے سریانی کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ تمام قصیدے بزبان عربی ہیں۔ اس لائبریری میں ایک اردو ترجمہ مجھے ملا ہے۔ جو خستہ حالت میں ہے۔ اس کا نام ''وشی البردہ'' المسمیٰ بہ خماسات بردیہ ہے۔ اس پر مترجم کا نام شیخ عبد علی بن العلامۃ الاوحد والنطاسی لامجد سیدی ابراہیم جی ہے۔ یہ کتاب مطبوعہ ہے اور مطبع محمد واقع مجگاؤں سے ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء میں یہ کتاب شائع ہوئی اس میں امام بوصیریؒ کے ہر

شعر کے نیچے عربی زبان میں اس کا مفہوم اور پھر اردو میں اس کا نثری ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ منظوم نہیں ہے۔

ممبئی یونیورسٹی کے کھٹکھٹے کلیکشن میں چار عربی قصیدہ بردہ ہیں۔ جن کے مخطوطہ نمبر بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۷، ۲۰۷، ۹۶۴اور ۱۰۸۷۔ ایک مخطوطہ جس کا نمبر ۹۳۲ ہے۔ اس کے کل دس صفحات ہیں یہ قصیدہ بردہ کا اردو ترجمہ ہے جو خستہ حالت میں ہے۔ اس کلیکشن میں چوبیس نمبر پر جو قصیدہ بردہ ہے۔ اس کے اشعار کا ترجمہ عربی میں اور حاشیہ میں فارسی ترجمہ موجود ہے۔ مخطوطہ نمبر ۹۳۳ کا ہے۔ یہ مکمل ترجمہ اردو ہے۔ اس کے ترجمہ نگار محمد یوسف کھٹکھٹے ہیں اور سنہ تصنیف ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) ہے۔ جو اس طرح درج ہے۔

''تمت فی ۱۷ ارشہر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ من زحاشیہ شرح فارسی العقیدہ البردہ رقم جداشد۔ محمد یوسف کھٹکھٹے''۸۸ے

محمد یوسف کھٹکھٹے نے اس کے صفحہ اول پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ ترجمہ فارسی شرح سے اردو میں کیا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

''یھ ترجمہ قصیدہ بردی ایک مختصر فارسی شرح قصیدہ مذکور سے جس میں فارسی نثر اور نظم دونوں ہی ترجمہ ہے اور جس کے حاشیہ پر یہ اردو ترجمہ نقل کیا گیا۔ اصل میں جا بجا نقصان تہا۔ بعض الفاظ کی کمی قوسین میں پوری کردی''۸۹ے

یہ مخطوطہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ قصیدہ کا ترجمہ (ابتدائی اشعار) اس طرح ہیں۔

دوستوں کی یاد میں تو ذی سلم میں آنکر اشک خوں آمیختہ جاری کیا شام و سحر
شایدت بادِ محبت کاظمہ سے ہے چلی یا اضم سے وقت شب بجلی چمکتی ہے مگر

ڈاکٹر میمونہ دلوی کھٹکھٹے خاندان کے کارناموں کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

''محمد یوسف کھٹکھٹے بمبئی کے معزز اور نامور لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے بمبئی یونیورسٹی سے ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحان پاس کیے اور اردو کے علاوہ عربی فارسی زبانوں کے ماہر اور فقہ وحدیث کے جید

عالم سمجھے جاتے تھے۔ یوسف کے تخلص سے انھوں نے اپنے شعر بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ نثر میں بھی مولوی صاحب کی کتابیں دستیاب ہیں۔ مولوی صاحب کا ذاتی کتب خانہ جو نادر مخطوطات اور مطبوعات پر مشتمل ہے۔ کھٹکھٹے کلیکشن کے نام سے ممبئی یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔'' ۹۰

RekhtaDownload.com

قصیدہ بردہ، امام بوصیریؒ اور علامہ اقبالؔ

قصیدہ بردہ کا اصل موضوع ذات نبویؐ اور حب نبویؐ ہے اسی لیے دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے عاشق رسولؐ نے اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کرنا ضروری سمجھا تاکہ رسول پاکؐ کی ذات وصفات محاسن وکمالات اور اخلاق وعادات کا جو منظوم نقشہ بوصیریؒ نے کھینچا ہے عام لوگوں تک پہنچ سکے۔ اردو ادب کے کئی شعرا نے اس قصیدے کا ترجمہ کیا اور کئی شعرا نے اس کے بعض اشعار کو اپنے کلام میں پیش کیا۔ گویا وہ بھی امام بوصیریؒ کے عشق رسول کے قدر دان رہے۔ علامہ اقبالؔ بھی ان ہی قدر دانوں میں شامل ہیں۔

اسلام نے کسی خاندان اور قبیلے کو اس کے رنگ ونسل اور علاقہ اور زبان یا شان وشوکت کی تخصیص کے بغیر اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دی ہے۔ اسلام مذہب کی اسی خوبی نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیا۔ رسول پاکؐ نے آفاقی پیغام اور ابدی حقیقتوں کو نہ صرف عوام تک پہنچایا بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی اسے اپنا کر لوگوں کے دلوں کو جیتتے رہے۔ اور رشد وہدایت کا سبق دیتے رہے۔ اقبال کے اردو فارسی کلام کا مطالعہ کرتے وقت ایسی متعدد نظمیں مل جاتی ہیں جن میں پیغمبر اسلام کی بالواسطہ تعریف کی گئی ہے۔ اقبالؔ کے دل میں اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جو سمندر موجزن تھا اس کا ثبوت نہ صرف ان کے کلام میں ہے بلکہ ان کے کچھ خطبوں، تقریروں، خطوں اور گفتگو سے بھی اس عشق کی شدت ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ عطاء اللہ کی مرتب کردہ کتاب اقبال نامہ حصہ اول یعنی مجموعہ مکاتیب اول میں چند خطوط ملتے ہیں جس میں انھوں نے امام بوصیریؒ کا ذکر کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے نام ۲۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک خط لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ:

"......بُصیریؒ کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ روایات کہ یہ روایت بھی لکھی ہے۔" (ص نمبر ۸۸)

علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کو لکھے گئے ایک دوسرے خط میں بھی بوصیریؒ کا ذکر کرتے ہیں کہ:

"......اے بُصیری را ردا بخشندہ......

......بُصیریؒ کے متعلق یہ بھی واقعہ مشہور ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے بصیریؒ کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادر مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے جذام سے نجات پائی۔ بعض لوگوں میں قصیدہ بصیریؒ قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔" (ص نمبر ۸۴)

علامہ اقبال اپنی زندگی کے آخری چار سال سخت بیمار رہے۔ ان کا علاج بھوپال میں چل رہا تھا۔ اکثر ان کا جانا وہاں ہوا کرتا تھا۔ اپنی اس بیماری اور بھوپال کے برقی علاج کے بارے میں سید محفوظ علی بدایونی کے نام لکھے گئے خط میں فرماتے ہیں کہ:

"آپ کا والا نامہ ابھی ملا۔ الحمد اللہ کے آپ مع الخیر ہیں۔ میں گذشتہ ۱۸ ماہ سے علیل ہوں سفر بہت کم کرتا ہوں۔ ہر تیسرے مہینے بھوپال جاتا ہوں۔ وہاں برقی علاج ہے جس سے کچھ فائدہ ہے۔ باطنی علاج صرف اس قدر ہے کہ آپ کے جدّ پر درود پڑھتا ہوں آپ بھی دعا فرمائیے۔" (ص نمبر ۲۴۸)

اسی علاج کے دوران قیام بھوپال میں میں انھوں نے ایک رات سر سید احمد خاں کو خواب میں دیکھا جس کا ذکر سر راس مسعود کے نام لکھے گئے خط میں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

’’۳؍اپریل کی شب کو جب میں بھوپال ہال میں تھا۔ میں نے تمھارے دادا رحمت اللہ علیہ (سرسید احمد خاں) کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں کہ کب سے بیمار ہو۔ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ مجھ سے فرمایا۔ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کرو۔ میں اسی وقت بیدار ہو گیا۔ اور کچھ شعر عرض داشت کے طور پر فارسی زبان میں لکھے۔ کل ساٹھ شعر ہوئے۔ لاہور آ کر خیال ہوا کہ یہ چھوٹی سی نظم ہے اگر کسی زیادہ بڑی مثنوی کا آخری حصہ ہو جائے تو خوب ہے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی ’’پس چہ باید کرد اے اقوام شرف نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہوگی۔‘‘ (ص نمبر ۴۱۴)

اقبال نے مثنوی ’’پس چہ باید......‘‘ کے آخری حصے میں اپنی بیماری اور ناتوانی کا ذکر بھی کیا ہے، اقبال اپنے اشعار میں حضور پاکؐ کے ان احسانات کا ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے عالم انسانیت پر کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی ذاتی التجائیں صرف دو ہیں ایک حج اور دوسرا زیارت مدینہ، مزید کہتے ہیں کہ ان کی اس بیماری نے صبح کی تلاوتِ قرآن کی لذت چھین لی (آواز کے بیٹھ جانے کی طرف اشارہ ہے) اور دواؤں کی بدبو اور تلخی نے ذوق مشام کو پراگندہ کر دیا ہے۔ بس حضرت امام بوصیریؒ کی طرح ان کی بھی چارہ سازی فرمائی جائے۔ ۹۱

در نفس سوز جگر باقی نماند — لطف قرآن سحر باقی، نماند
آہ زان دردی کہ در جان و تن است — گوشہ چشم تو داری من است
در فازد با دواہا جان زار — تلخ و بویش بر مشامم ناگوار
کار این بیمار ناتواں برد پیش — من چو طفلاں نالم از داری خویش
تلخی اورا افریہم از شکر — خندہ ہا در لب بدوز و چارہ گر
مہر تو بر عاصیاں افزوں تر است — در خطا بخشی چو مہر مادر است
اے وجود تو جہاں را نو بہار — پر تو خود را دریغ از من مدار
چوں بصیریؒ از تو می خواہم کشود — تابمن باز آید ان روزی کہ بود

علامہ اقبال کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اکثر قصیدہ بردہ کا ورد بھی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی مثنویوں ''رموزِ بے خودی'' اور ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' کے نعتیہ اور عرض حال کے اشعار میں امام بوصیریؒ کا ذکر کیا ہے۔ رموز بے خودی میں عرض حال مصنف بحضور رحمت العالمینؐ' کے عنوان کے تحت اقبال نے جو اشعار لکھے ہیں انھیں فارسی زبان کے نعتیہ ادب میں اونچا مقام دیا جاسکتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

امام بوصیریؒ: احلّ امّتہ فی حرزِ مِلّتہ — کاللّیثِ حل مع الاشبال فی اجم

اقبال: امّتش درحرز دیوار حرم — نعرہ زن مانند شیراں در اجم

(یعنی: آپؐ نے اتارا اپنی قوم کو اپنے دین کے مضبوط قلعے میں، جیسے شیر اپنے بچوں کے ساتھ اپنی کچھار میں فروکش ہوتا ہے۔)

امام بوصیریؒ: لما دعا اللہ داعینا لطاعتہ — باکرم الرّسل کنا اکرم الامم

اقبال: پس خدا برما شریعت ختم کرد — بررسولؐ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را — اوؐ رسل را ختم، وما اقوام را

(یعنی: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ہمیں اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں۔ سب رسولوں کا سردار (اکرم الرسل) کہہ کر پکارا تو ہم (قدرتی طور پر) سب قوموں کے سردار ہوگئے۔)۹۲

ایک ایرانی مصنف فخر الدین حجازی (تہران) نے اس نعتیہ کلام پر غیر معمولی توجہ دی اور اس کی تشریح میں ''سرود اقبال'' (۱۳۵۴ھ شمسی ۱۹۷۵ء) نامی کتاب تصنیف کر ڈالی۔ اس ایرانی مصنف نے اقبال سے متعلق بڑی خوبصورت باتیں کہی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ شاعر اقبال نے چند باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات بیان کر رہا ہے مگر عجمی مسلمان کہتے ہیں کہ وہ یورپی فلسفہ پیش کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ حسن پرستی اور تشکیک کی منازل میں رہا ہے اور اب وہ (اقبال) عاشق رسولؐ ہے اور اسے (اقبال) دربار نبویؐ سے بربط سلمیٰ ۹۳ عطا ہوئی جو امام بوصیریؒ کو عطا کی جانے والی چادر مطہرہ کی طرح مقدس ہے۔ شاعر (اقبال) کی التماس و آرزو یہ ہے کہ اسے باعمل بننے کی سعادت ملے اور اس کا مدفن مدینہ ہو۔ اقبال کی

خواہش یہ بھی ہے کہ ان کی مرقد مسجد نبوی کی دیوار کے سایے میں ہو۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں کہ:

از اب دام گشتہ محبوب تر
تا مرا افتاد بر رویت نظر

فرحتش بادا کہ جانم سوخت است
عشق در من آتشی افروخت است

آں چراغِ خانۂ ویرانِ من
نالہ مانند نَے سامانِ من

بربط سلمیٰ مرا بخشندہ
اے بوصیری راہ ردا بخشذۂ

اینکہ نشناسد متاع خویش را
ذوق حق وہ ایں خطا اندیش را

آبِ نسیانم گہر گرداں مرا
در عمل پایندۂ ترگراں مرا

وای امروزم خوشافردای من
از درت خیزد اگراجزِری من

مرقدی در سایہ دیوار بخش
کوکبم رادیدۂ بیدار بخش

اقبالؔ کے یہ منظوم تاثرات رسول پاکؐ سے والہانہ اور عاشقانہ الفت کا پتہ دیتے ہیں۔ انھوں نے رموزِ بے خودی میں جگہ جگہ حضور کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ اور ذکر ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے کلام میں قوم وملت کا درد بھی رسول پاک کی عقیدت ومحبت کی وجہ سے ہی تھا۔ اسلامی تہذیب میں دوسرے علوم کے مقابلے میں قرآن وحدیث کے بعد تاریخ نگاری اور سیرت نگاری کو فوقیت حاصل رہی ہے۔ اقبال کی ایک نظم ''بال جبرئیل'' میں ''ذوق وشوق'' کے نام سے ملتی ہے۔ اس نظم میں ان دوشہروں کی تلمیحات بھی موجود ہیں جن کے نام قصیدہ بردہ کے ابتدائی اشعار میں ملتے ہیں۔ یعنی ''کاظمہ اور اضم''، ''کوہِ اضم'' مدینہ منورہ کی راہ میں پڑتا ہے اور مدینہ میں ایک وادی ہے جس کا نام کاظمہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ:

کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
سرخ وکبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب

ریگ نواح کاظمہ، نرم ہے مثل پرنیاں ۹۳
گرد سے پاک ہے ہوا، برگ نخیل دھل گئے

ان اشعار میں اقبال نے مدینہ منورہ کے گردونواح کا منظر پیش کیا ہے کہ بارش ہو چکی ہے۔ جس کی بدولت ہوا گردوغبار سے پاک ہوگئی ہے۔ کھجور کی شاخ دھل کر نکھر گئیں اور مدینہ منورہ کے آس پاس کی ریت ریشم کی طرح نرم ہوگئی ہے۔

اقبال کی پوری زندگی عشق رسول پاکؐ اور مدینہ منورہ کی یاد سے معمور تھی۔ آخری عمر میں ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح حج کرلیں اور روضۂ نبوی میں حاضری دیں۔ لیکن ان کی زندگی کے آخری ایام بیماری میں گذرے اور وہ اپنے بیمار و کمزور جسم کی بنا پر مدینہ منورہ میں حاضری نہ دے سکے۔ لیکن مدینہ کا نام آتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور تب وہ اپنے مشتاق و بے تاب دل کے ساتھ اپنے تخیل میں ہی حجاز کی فضاؤں میں پرواز کرتے رہتے تھے۔

☆☆☆

RekhtaDownload.com

قصیدہ بردہ پڑھنے کے آداب وفوائد

قصیدہ بردہ کو سب سے زیادہ مقبولیت جس حلقے میں حاصل ہوئی وہ مشائخ کا طبقہ تھا۔اس طبقہ میں اس قصیدے کو جو تقدس نصیب ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اوراد و وظائف میں اس کو پڑھنے کی بڑی اہمیت دی گئی اور مختلف طریقوں سے اس کی قرأت کو حل مشکلات اور دافع شدائد قرار دیا گیا۔مثال کے طور پر:

۱۔ قصیدہ بردہ کو ایک ہزار بار پڑھنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔

۲۔ اگر کوئی بلا نازل ہوجائے تو اس کے دفعیہ کی غرض سے اکہتر بار پڑھے۔

۳۔ اگر کہیں قحط پڑ جائے تو اسے تین سو مرتبہ پڑھنے سے قحط کی مصیبت دور ہوجاتی ہے۔

۴۔ مالی پریشانیوں سے حصول نجات کے لیے اسے سات سو مرتبہ پڑھنا مفید ہے۔

۵۔ اگر کسی کے اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو تو اس قصیدے کو ایک سو سولہ بار پڑھے۔

۶۔ جب کبھی کوئی مشکل آن پڑے تو سات سو اکہتر بار قصیدہ بردہ کے ورد سے وہ مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

۷۔ اگر کوئی شخص مسلسل سات جمعہ اس قصیدے کو ستر بار پڑھے تو اس کی مالی دشواریاں دور ہوجائیں۔

۸۔ اگر کوئی شخص روزانہ اسے ایک بار پڑھے یا کوئی دوسرا اسے پڑھ کر اس شخص پر دم کرے تو ایسا شخص ہر بلا سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

۹۔ اگر سوتے وقت کسی خاص مقصد سے اسے پڑھا جائے تو خواب میں اُسے اس کے متعلق ساری مکمل معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

۱۰۔ اگر کسی شخص کو گلاب سے لکھ کر سات روز تک یہ پلایا جائے تو اس کا حافظہ قوی ہو جائے گا۔

۱۱۔ اگر کوئی سخت آفت آن پڑے تو تین روزے رکھے اور ہر روز اکیس بار پڑھنے سے وہ آفت دور ہو جائے گی۔

۱۲۔ اگر کسی گھر میں اس قصیدے کا ورد ہر روز کیا جائے تو وہ گھر بلا سے محفوظ رہے گا۔

۱۳۔ مسافر اگر قصیدہ بردہ ہر روز ایک بار پڑھے وہ شدائد سفر سے مامون رہے گا۔

۱۴۔ مقروض اس قصیدے کو اگر ہزار بار پڑھے تو قرض سے نجات مل جائے گی۔

۱۵۔ اگر قیدی اس کا ورد کرے تو اسے رہائی نصیب ہو جائے گی۔

۱۶۔ کھیتی میں برکت کی غرض سے بیج بوتے وقت بیجوں پر قصیدہ بردہ پڑھ کر دم کیا جائے۔ [۹۴]

غرض یہ کہ جس مقصد کے لیے پڑھا جائے وہ حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس طرح قصیدے کے مختلف اشعار کے خواص فرداً فرداً بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان فوائد و خصائص میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھیں دعا و تعویذ قسم کی چیز کہا جا سکتا ہے۔ اور اس کا یہاں ذکر مناسب نہیں ہے۔

جس طرح مختلف مترجمین اور شارحین قصیدہ بردہ نے اس کے پڑھنے کے فضائل و خواص بتلائے ہیں۔ اسی طرح کئی مصنفوں نے اس قصیدہ کے پڑھنے کے آداب بھی بتائے ہیں اس قصیدہ مبارک کے آدابِ تلاوت کا ذکر عربی زبان کے کئی مصنفوں نے کیا ہے۔

رفیع سامی، سید عمر آفندی اور سید عمر مفتی شہر خرپوت لکھتے ہیں کہ اس قصیدے کو پڑھنے میں چند شرائط و آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ اگر نتیجہ نکلنے میں دیر لگے یا کسی قسم کا فائدہ نظر نہ آئے اسے قصیدہ کی بے اثری نہ سمجھا جائے بلکہ پڑھنے کے انداز میں اپنی غلطیوں کو تلاش کرے۔ سید محمد احمد قادری اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ امام غزنوی اس قصیدہ مبارک کو ہر رات

پڑھا کرتے تاکہ اس کی برکت سے رسول پاکؐ کی زیارت نصیب ہو۔ ایک مدت تک پڑھنے کے باوجود زیارت رسول اللہؐ سے مستفیض نہ ہوئے تو اپنے شیخ کاملہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا۔ شیخ نے جواب دیا۔ "لعلک لا تراعی شرائطھا" غزنوی! شاید تم اس کی شرائط وآداب کی رعایت نہیں کرتے۔ امام غزنوی نے عرض کیا "لا بل اُراعیھا" نہیں حضور! میں خاص رعایت اور توجہ سے پڑھتا ہوں۔ تو ان کے شیخ نے مراقبہ کیا اور فرمایا۔ "وَقَفْتُ عَلٰی سِرِّہٖ وَھُوَ انَّکَ لَا تَعْلٰی بِالصَّلٰوۃِ الَّتِیْ صَلّٰی بِھَا الْاِمَامُ الْبُوْصِیْرِی اِذْھُوَ صَلّٰی عَلَیْہِ عَلَیْہِ السَّلَام بِقَوْلِہٖ" یعنی: غزنوی! زیارت نہ ہونے کا راز مجھے معلوم ہو گیا۔ وہ یہ کہ تم وہ درود نہیں پڑھتے جو امام بوصیریؒ نے سرکار کی بارگاہ میں اس قصیدے کو پیش کرتے وقت پڑھا تھا اور وہ درود یہ ہے:

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ ۹۵

شارحین فرماتے ہیں کہ اس قصیدے میں اس درود کا پڑھنا ہی ضروری ہے اس کے سوا کوئی اور درود نہ ہو۔ اس قصیدے مبارک کو پڑھنے کے شرائط وآداب درج ذیل ہیں:

۱۔ باوضو ہو۔

۲۔ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ کر پڑھے۔

۳۔ صحت الفاظ کی خاص کوشش کرے۔ زیر اور زبر کا لحاظ رکھے۔

۴۔ جو شعر پڑھے اس کے معنی سمجھتا ہو۔ اس لیے کہ دعا کے الفاظ کے معنی نہ سمجھتا ہو تو اس کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے مقدمہ "الحزب الاعظم" میں فرمایا:

"فعلیک بحفظ میانہ والتامل فی معانیہ" تمھارے لیے الفاظ کو یاد کرنا اور معانی سمجھنا لازم ہے۔

۵۔ ہر شعر کو شعر کے طرز پر پڑھے نہ کہ نثر کے طریقے پر۔

۶۔ پورا قصیدہ پہلے زبانی یاد کرلے پھر پڑھنے کا معمول بنائے۔

۷۔ بطور وظیفہ پڑھنے والا کسی شیخ مجاز سے اس کی اجازت حاصل کرلے۔ پھر اس کا ورد شروع کرے۔

۸۔ قصیدہ کے اول و آخر میں وہ خاص درود پڑھا جائے جو امام بوصیریؒ نے بارگاہ رسالت میں پڑھا تھا۔

اور اس قصیدے کے آغاز سے پہلے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ لینا چاہیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنْشِي الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٍ ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْقِدَمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ ۹۶

کیوں کہ ان اشعار میں حمد الٰہی اور درود و سلام بھی موجو ہیں۔ اس لئے ہر اہم اور عظیم الشان کام کے آغاز میں ان کے پڑھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ مختلف شارحین نے مختلف درود اس قصیدہ مبارک کے اول و آخر میں پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ ان کے علاوہ مشائخِ سلاسل اور بزرگان دین نے اپنے اپنے تجربات و مشاہدات کے اعتبار سے اس قصیدے کے پڑھنے کے آداب اور خواص اور تاثیر اور فوائد و برکات بھی لکھے ہیں۔ بہر حال اخلاص اور حسن اعتقاد شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے محبوبان بارگاہ کے وسیلے سے ہر قاری و سامع کو اس کی برکتوں سے حظِ وافر عطا فرمائے اور اس ناچیز راقم سطور کو اس کے فوائد سے فیض یاب فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے بہرور فرمائے (آمین)۔ ۹۷

اردو مترجمین اور شارحین نے قصیدہ بردہ کی درج بالا خوبیوں کو اجاگر کرنے میں خوب سے خوب تر کوششیں کی ہیں۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ وہ بھی اپنی سعی میں بفضل تعالیٰ کامیاب ہیں۔

☆☆☆

اردو میں نعتیہ شاعری

اردو شاعری میں نعتیہ قصیدے یا نعتیہ کلام کا آغاز کب ہوا؟ اس کے بارے میں محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے کچھ اشعار کو نعت کا اولین نمونہ قرار دیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے فخر الدین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں حمد کے بعد آنے والے نعتیہ اشعار کو اردو نعت کا اولین مستند نمونہ قرار دیا اور ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار کیا کہ خواجہ گیسو دراز اور ان کے صاحب زادے سید محمد اکبر حسینی کی کوئی تصنیف اردو میں ہے۔ پندرھویں صدی اور سولھویں صدی عیسوی میں بہت سے شعرا کا مذہبی کلام مثنویوں اور جکری کی شکل میں موجود ہے۔ ان شعراء میں برہان الدین قطب عالم، صدر الدین، شاہ میراں جی شمس العشاق، شیخ بہاء الدین باجن، شاہ اشرف بیابانی، قاضی محمود دریائی، شاہی برہان الدین جانم اور خوب محمد چشتی کے نام زیادہ مشہور ہیں اردو میں باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز سولھویں اور سترھویں صدی میں ہوا۔ جب اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ نے (۱۵۶۵ء۔۱۶۱۱ء) نعت کی مستقل حیثیت قائم کی۔ ان کے کلیات میں عید میلاد النبی پر چھ، بعثت نبی پر پانچ، شب معراج پر ایک نظم اور پانچ نعتیہ غزلیں اور نعتیہ رباعیاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس صدی میں مثنوی میں نعت لکھنے کا رجحان بڑھا۔ اس کے علاوہ مذہبی تصانیف جیسے نور نامے، مولود نامہ، معراج نامہ اور وفات

نامہ کے ساتھ ساتھ منظوم سیرت نگاری کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی، نصرتی، طبعی، امین گجراتی، فتاحی، بلاقی صفتی اور قدرتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی زمانے میں شاہ ہاشم حسینی کی جکریاں، عبداللہ قطب شاہ کی غزلوں کے نعتیہ اشعار اور شاہ امین الدین کے نعتیہ دوہڑے ملتے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ولی کا نعتیہ کلام اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک نئی منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ ولی کے معاصرین میں قاضی محمود بحری نے اپنی صوفیانہ شاعری کی بدولت شہرت حاصل کی ہیں۔ فراق بیجاپوری بھی نعت، منقبت اور مرثیہ لکھتے رہے۔ نوازش علی شیدا اور محمد باقر آگاہ نے منظوم سیرت نگاری کو عروج پر پہنچایا۔

نعت کے سفر کی ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے جب ہم ممبئی کی طرف بڑھتے ہیں اور یہاں کے اردو ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو قاسم مہری کی ''عروس المجالس'' پر نظر پڑتی ہے یہ ممبئی کے اردو ادب کی یا اردو شاعری کی پہلی تصنیف ہے جو ۱۲۰۹ھ۔۱۷۹۱ء میں لکھی گئی ہے۔ یہ بشکل مثنوی رسول پاکؐ کی منظوم سیرت ہے۔ یہ مثنوی ہر سال ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے بارہ تاریخ تک آج بھی ممبئی کے اکثر گھرانوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد سے ممبئی میں تصنیفات اور رسالوں کا سلسلہ نہایت تیزی سے شروع ہوا۔ نظم کے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی گئی اور نثر میں کئی موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں۔ غلام علی مہری جو غلام قاسم مہری کے بھتیجے تھے اپنے چچا کے تتبع میں ایک منظوم سیرت پاک لکھی اور اس کا نام ''مصباح المجالس'' رکھا۔ یہ تصنیف ۱۲۶۰ھ۔ ۱۸۴۴ء کی ہے۔ باپو میاں فقیہ نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا۔ اس میں کل ۲۹ ر ابیات ہیں۔ ۹۸ ان کا نمونہ کلام نہیں مل سکا فقیہ کی تاریخ وفات ۱۲۲۳ھ، ۱۸۰۸ء ہے۔ نصرت نامی ایک شاعر کا خودنوشتہ مخطوطہ ''اشعار نصرت'' کا پتہ میمونہ دلوی صاحبہ کی کتاب سے چلتا ہے۔ انھوں نے نصرت کی تاریخ پیدائش ۱۱۹۰ھ ۱۷۷۶ء لکھی ہے۔ نصرت نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا جس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

خدا کے خاص ہیں محبوب احمد المختار ۔۔۔ یقین او خاتم المرسل کہ سید الابرار
خصوص حضرت حق نے عشق کامل سے ۔۔۔ کیا ظہور جو مخزن الاسرار
کیا نمود خدائی کو کُن کے کہنے میں ۔۔۔ رکھا ہے اسم محمد میں خود نہاں اقرار ۹۹

اس کے بعد ممبئی کے کئی شعرا ہیں جنھوں نے نعتیہ کلام لکھا۔ اس سے قبل یوسف مرگھے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ جنھوں نے قصیدہ بردہ کا ترجمہ کیا جو آج بھی مخطوطے کی شکل میں موجود ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شمالی ہند میں مختلف تحریکوں کی وجہ سے اردو ادب میں شاعری اور نثر دونوں میں نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھائے گئے۔ ممبئی کی ادبی دنیا نے بھی ان تمام اثرات کو کم و بیش قبول کیا۔ مختلف شاعروں اور نثر نگاروں نے اپنی تخلیقات میں ان بدلتے ہوئے رجحانات کو جگہ دی ہے۔ لیکن اسلامی ادب اور غیر اسلامی ادب میں ہمیشہ اور ہر دور میں حضور پاکؐ کی سیرت کو بہت اہمیت دی گئی ہے رسول پاکؐ کی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جسے ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے چھوڑ دیا ہو۔ قدیم، جدید اور مابعد جدیدیت کے شعرا نے بھی حضورؐ پاک کے اوصاف و خصائل، زہد و تقویٰ، صداقت و شرافت، جود و سخا رحم و کرم اور عدل و انصاف کو موضوع بنایا ہے اور اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔

☆☆☆

شرح قصیدہ بردہ شریف

قصیدہ بردہ شریف دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ کل اشعار کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ صحیح ترین نسخوں میں "مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا ۔ وَاَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِيْ الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ" ۱۶۰ تک ہی اشعار ہیں۔ لیکن بعض نسخوں میں ان کے بعد کچھ اور اشعار کا اضافہ ملتا ہے۔ اور علمی اور روحانی حلقوں میں ان کا ورد بھی ہوتا ہے۔ ان زائد اشعار میں خلفائے راشدین، اہل بیت، صحابہ، تابعین، عامۃ المسلمین اور پھر قصیدہ لکھنے والے اور پڑھنے والے کے لیے دعائیہ اشعار لکھے ہیں۔ ان اشعار میں معنوی اور شرعی حیثیت سے کوئی قباحت نہیں ہے انھیں بلا جھجک پڑھا اور سنا جا سکتا ہے مگر روایت کے اعتبار سے یہ اعلیٰ معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اس لیے صحیح ترین نسخوں میں یہ نہیں ملتے اور اسی بنا پر زیادہ تر شارحین نے ان کی شرح نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری لکھتے ہیں کہ شعبہ علوم اسلامی کے ایک سابق استاد پروفیسر علی محسن صدیقی کے نزدیک مندرجہ ذیل بارہ اشعار الحاقی ہیں۔ مثال کے طور پر

ثم الرضا ابی بکر و عمر   و عن علی و عن عثمان ذی الکرم

والآل و الصحب ثم التابعین لھم   اھل التقی والنقی والحلم و الکرم

فاغفرلنا شدھا واغفرلقا رھا   سئالتک الخیر یا ذالجود والکرم ۱۰۱

ان الحاقی اشعار کے علاوہ بھی مندرجہ ذیل دو شعر قدیم نسخوں میں منقول نہیں ہیں۔

حتی اذا طلعت فی الکون عم ہدا   ماالعالمین واحیت سائر الامم

ایاتہ الفرلا یخفی علی احد   بدونہا العدل بین الناس لم بقسم ۱۰۲؎

اس اعتبار سے قصیدے کے کل اشعار ایک سو ساٹھ قرار پاتے ہیں۔ اس کی تصدیق اس الحاقی شعر سے بھی ہوتی ہے جسے علامہ شیخ ابراہیم باجوریؒ اپنی شرح بردہ میں الحاقی اشعار کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

ابیاتہا قد اتت ستین مع مایۃ   فرج بہا کر بنایا واسع الکرم ۱۰۳؎

اگر چہ یہ شعر الحاقی ہے اور بوصیریؒ کی جانب اس کی نسبت مشکوک ہے۔ مگر اس سے کم از کم یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بردہ کے اشعار کی تسلیم شدہ تعداد ایک سو ساٹھ ہی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ بھی بعض مورخین کے نزدیک یہ اشعار اس قصیدے میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

یارب بالمصطفیٰ بلغ مقاصد نا   واغفرلنا مامضی یا واسع الکرم

واغفرالہی کل المسلمین بہا   بتلوہ فی المسجد الاقصی افی الحرم

بجاہ من نیۃ فی طیبۃ حرم   واسمہ قسم من اعظم القسم

وہذہ بردہ المختار قد ختمت   والحمد اللہ فی بدء و فی ختم ۱۰۴؎

اسی طرح اس قصیدے کے آغاز میں مندرجہ ذیل دو اشعار بڑھا دیے گئے۔

الحمد اللہ منشی الخلق من عدم   ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

مولا ی صل و سلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلہم ۱۰۵؎

اگر ان تمام اشعار کو شامل کر لیا جائے تو قصیدہ بردہ کے اشعار کی مجموعی تعداد ایک سو بہتر (۱۷۲) قرار پاتی ہے۔ اس قصیدے کے شارحین نے اسے دس فصلوں پر منقسم کیا ہے۔ اور ان کے عنوانات بھی درج کیے ہیں جو اس طرح ہیں۔

فصل اول: ''یادِ محبوب اور مذاکرہ صبا'': شارحین نے ابتدائی بارہ اشعار فصل اول کے لیے مختص کیے ہیں۔ ان اشعار میں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ شاعر اپنی ذات کو ایک

غیر شخص فرض کرتا ہے اور اس سے اس کے غمگین اور رنجیدہ ہونے اور آہ وزاری کا سبب دریافت کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اشک رواں اور زرد چہرہ جس بات کی غمازی کر رہے ہوں اس سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد شاعر اس فرضی شخص سے راز محبت فاش کرواتا ہے۔ عشق میں اپنی بے بسی اور مشفق ناصح کی بے اثر نصیحتوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کے خلوص کا اقرار کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی جتا دیتا ہے کہ اے ناصح! ہم نے یہ عشق جوانی کی خام خیالی میں نہیں بلکہ پیری کی پختہ کاری میں حاصل کیا ہے اور بڑھاپے کی جذبات سے عاری عمر بھی جب اس عشق کے جنون کو کم نہ کر سکی تو تمھاری نصیحت اس پر کیا کارگر ہوگی؟

فصل دوم: فی منع ھوی النفس (خواہش نفس کی مخالفت) اس فصل کے سولہ (۱۶) اشعار خواہش نفس کی مخالفت کے بیان میں ہیں۔ شاعر اس فصل میں اپنے نفس امارہ کی سرکشی، گناہوں کا اقرار اور صالح عمل سے زندگی بھر کوتاہی برتتے اپنی عمر کے یوں ہی ختم ہو جانے پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ پھر نفس امارہ کو مغلوب کرنے کے طریقے بھی بتاتا ہے کہ اس کی خواہش کبھی پوری نہ کی جائے بلکہ وہ جس بات کی تمنا کرے اسے اس سے دور رکھا جائے۔ نفس کی رضا جوئی انسان کے لیے زہر قاتل ہے۔ پھر شاعر مشورہ دیتا ہے نفس وشیطان کی مخالفت کرو ان کی کوئی بات نہ مانو کیوں کہ یہ دونوں تمھارے دشمن ہیں۔ ان کے مکر سے غافل نہ رہو۔ اور کوئی ایسی بات نہ کہو جس پر عمل نہ ہو۔

فصل سوم: فی مدح رسول اللہ (حضور پاکؐ کی مدح وثنا) اس فصل میں کل ۳۱ اشعار ہیں۔ رسول پاکؐ کی مدح میں امام بوصیریؒ نے بڑے خوبصورت اشعار لکھے ہیں۔ انھوں نے اس حصے میں حضورؐ کی شب بیداری، فاقہ کشی اور بے طمعی کا دل کش انداز میں ذکر کیا ہے۔ آپؐ سید کونین، سردار ثقلین اور آقائے عرب وعجم ہیں۔ آپؐ اللہ کے محبوب اور شافع روز جزا ہیں۔ تمام انبیائے کرام حلم کرم میں آپ سے کم ہیں۔ آپؐ معنوی اور صوری اعتبار سے مکمل ومصفیٰ ہیں۔ آپؐ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ ان اشعار میں بوصیری کی نعت گوئی اپنے نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ امام بوصیریؒ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ رسول پاکؐ نے ہمیں ایسا دین اور ایسی شریعت عطا فرمائی جس کے سمجھنے، قبول کرنے اور جس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمیں

کسی امتحان سے نہیں گزرنا پڑا۔ اسی لیے نہ ہم شک و وہم میں مبتلا ہوئے اور نہ راہ سے بھٹکے۔
نفیس احمد مصباحی لکھتے ہیں کہ علامہ عمر بن احمد خرپوتیؒ اپنی تالیف ''عصیدۃ الشہدۃ شرح قصیدۃ البردۃ'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ:

''امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ جب خواب میں سرور کائناتؐ کو قصیدہ سناتے ہوئے اس شعر (نمبر ۵۱) پر آئے تو مصرع اول۔ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ پڑھ کر خاموش ہو گئے تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ارشاد ہوا ''اقرا (پڑھو) تو آپ (بوصیریؒ) نے عرض کی حضور مصرع ثانی مجھ سے موزوں نہ ہو سکا تو سرکار نے فرمایا۔ پڑھو ''وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ'' تو امام بوصیریؒ نے فوراً یہ مصرع قصیدہ میں شامل کر لیا اور فرط شوق سے ہر شعر کے بعد یہ مصرع دوہراتے رہے۔ قصیدہ بردہ کی ''الشفا'' نامی شرح میں یہ واقعہ مذکور ہے۔''۱۰۶

فصل چہارم: فی مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم (ولادت طیبہ) رسول پاکؐ کی ولادت باسعادت کے بیان میں تیرہ اشعار ہیں۔ اس فصل میں امام بوصیریؒ نے آنحضرت کی ولادت سے متعلق عام روایات کو شاعر نے بڑے دلکش، جامع اور واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ یعنی کہ اہل فارس کو اپنی ہلاکت وتباہی کا علم ہوا، ایوان کسریٰ کے کنگورے گر پڑے۔ آتش کدہ ایران بجھ گیا۔ اور بحیرہ سارہ سوکھ گیا۔ جن آپؐ کی ولادت کی خبر دے رہے تھے۔ آسمان پر نور حق بلند ہو رہا تھا۔ کاہن آپؐ کے ظہور اور اپنے دین باطل کی ہلاکت کا اعلان کر رہے تھے۔ انھیں آسمان پر شہاب ثاقب اور زمین پر اصنام ٹوٹتے پھوٹتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور دورِ وحی شروع ہو رہا تھا۔ شیاطین سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ الغرض آنحضرتؐ کی ولادت سے متعلق روایات کو امام بوصیریؒ نے بڑی خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے۔

پانچویں فصل: فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم (معجزات کا بیان) یہ فصل حضور پاکؐ کی دعوت حق کے بیان میں ہے اس میں کل ۱۶۔ اشعار ہیں۔ اس فصل میں آنحضرتؐ کے معجزات میں سے چند مشہور معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی جب آپ چلتے تھے تو درخت آپ کے سامنے سرنگوں

ہوجاتے تھے۔ بادل آپؐ پر سایہ فگن رہتا تھا۔ آپؐ کی انگشت کے اشارے سے چاند دو ٹکڑوں میں بٹ کر پھر ایک ہوگیا۔ بچپن میں آپ کا سینہ چاک کر کے دنیوی آلائشوں سے اسے پاک کیا گیا۔ ہجرت کے موقع پر غار کے دہانے پر پہنچ کر بھی کفار کو آپ کے غار میں ہونے کی اطلاع نہ ہوئی۔ کیوں کہ اس غار کے گرد مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اور کبوتری نے انڈے دے دیے تھے۔ اور جس کی وجہ سے کفار یہ ہی سمجھتے رہے کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ اس غار میں صدق (ذات رسالت مآب) اور صدیق (ذات ابوبکر صدیق) دونوں ہی موجود تھے۔ معجزات کے ذکر کے بعد امام بوصیریؒ نے نبوت کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ نبوت ایک عطیۂ الٰہی ہے کوئی اکتسابی چیز نہیں ہے کہ انسان شب و روز کی پیہم ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے حاصل کر لے۔ انبیاء کو اللہ غیب کی تمام باتوں کا علم نہیں دیتا۔ اسی طرح انبیاء کے خواب سچے اور ایک طرح کی وحی ہوتے ہیں۔ اگرچہ عالم خواب میں ان کی آنکھیں بند رہتی ہیں۔ مگر دل ان کا ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔

فصل ششم: فی ذکر شرف القرآن و مدحِ (فضائل قرآن) امام بوصیریؒ نے قصیدے کے اس حصے میں قرآن پاک کی فضیلت میں سترہ اشعار کہے ہیں۔ رسول پاکؐ کے معجزات میں قرآن مجید کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ امام بوصیریؒ نے اس فصل میں بتایا ہے کہ قرآن پاک کسی خاص زمانے سے وابستہ نہیں ہے یہ تو ہر دور اور ہر عہد کے لیے ایک ایسا معجزہ ہے جو دیگر انبیاء کے تمام معجزوں پر سبقت لے گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لازوال کلام ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات وصفات کا ادراک بہت مشکل ہے۔ یہ صرف اہل کشف کا کام ہے۔ لیکن قرآن پاک کی آیتیں محکم اور استوار ہیں۔ ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ اس کی بلاغت کے سامنے مخالفین کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ اس کے عجائب ومحاسن حد و شمار سے زیادہ ہیں۔ اس کی تلاوت سے سکونِ قلب اور دوزخ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ گویا وہ ایک حوض کی مانند ہے۔ جس سے گناہ دھلتے ہیں۔ اگر کوئی قرآن کے فضائل کا انکار کرتا ہے تو اس شخص کی مثال اس شخص کی مانند ہے۔ جس کی آنکھیں آشوب چشم کا شکار ہوں اور وہ آفتاب تاباں کو دیکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو۔

فصل ہفتم: فی ذکر معراج النبیؐ (اسرا و معراج کا بیان) ''اسراء'' مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے مختصر سے حصہ میں رسول پاکؐ کا تشریف لے جانا ہے اور ''معراج'' مسجد اقصیٰ سے آسمان کی بلندیوں کی سیر فرمانا اور عرش اعظم میں بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر راز و نیاز کی باتیں کرنا ہیں۔ اس فصل میں واقعات معراج کا بیان مختصر ہے۔ صرف بارہ شعر ہیں۔ ان اشعار کو امام بوصیریؒ نے بڑی مہارت اور نزاکت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہاں انھوں نے نحوی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں لیے بلکہ لغوی معنی مراد لیے ہیں رسول پاکؐ نے قرب و رفعت کے ایسے مدارج طے کیے جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ اور یہ امر اہل اسلام کے لیے باعث افتخار ہے۔

فصل ہشتم: فی ذکر جہاد النبیؐ (غزوات کا بیان): یہ فصل رسول پاکؐ کے جہاد کے بیان میں ہے اس میں کل ۱۲۱ اشعار ہیں۔ اس فصل میں امام بوصیریؒ نے حضور پاکؐ کے جہاد، صحابہ اکرام کی شجاعت اور ان کے جذبۂ ایمانی کا ذکر کیا ہے۔ ان اسلام کے غازیوں کے حملے سے دشمن کے پتے پانی ہو جاتے تھے۔ پے در پے شکست سے کفار کا یہ حال تھا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے تھے۔ انھیں دن رات اور ماہ و سال کا امتیاز بھی نہ رہا تھا۔ دوسری جانب اسلام کی قوت کا یہ عالم تھا کہ اس کے ماننے والے صبر و استقامت میں پہاڑوں کی طرح تھے۔ یہ جب میدان جنگ میں ڈٹ جاتے تھے تو ہلنے کا نام نہ لیتے ایسا لگتا جیسے پہاڑ ہوں جو ایک ہی جگہ پر جمع ہوئے ہوں۔ ان اشعار میں صحابہ کرامؓ کی شجاعت و بہادری اور نیزہ بازی میں مہارت کو استعارات و تشبیہات میں بیان کیا گیا ہے۔ غزوہ حنین، غزوہ بدر و غزوہ احد میں ان صحابہ کی سرفروشی نے کفار کی صفوں میں موت کو ارزاں کر دیا تھا۔ وہ تلوار نیزہ بازی کے ماہر اور سورماؤں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ یہی وہ جہاد تھا جس نے اسلامی ملت کو مصائب و آلام سے محفوظ و مامون کیا۔ اور مشرکین کے نرغے سے باہر نکالا۔

فصل نہم: فی طلب المغفرۃ من اللہ و التوسّل برسول اللہ ﷺ (طلب مغفرت اور توسل اسم رسالت کی برکت)۔ اس فصل میں امام بوصیریؒ نے بارہ اشعار میں اپنی سابقہ زندگی کی زیاکاریوں کا نہایت حسرت سے ذکر کیا ہے کہ عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ امراو سلاطین اور ارباب

جاہ ومنصب کی خوشامد اور قصیدہ خوانی میں گزرا ہے اور اب وہ رسول پاکؐ کی مدح خوانی کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ کیوں کہ امراو سلاطین کی خدمت اور شاعری کے ذریعے اپنی گردن پر ان کے گناہوں کا بار لیا ہے جن کے بُرے نتائج یعنی جہنم کے عذاب کا ڈر ہے۔ آگے کے اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے بچپن کی سرکشی یا نوعمری کی بے راہ روی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جس سے ندامت و گناہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور زندگی کی تجارت میں بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ دنیا کے نفع کے لیے آخرت کے نفع کو ترک کر دیا اور دینوی فائدے کو جو وقتی تھا، اُخروی فائدے پر جو دائمی تھا ترجیح دی۔ اس یاس ومحرومی میں بھی رسول پاکؐ سے رشتۂ ایمانی نہیں ٹوٹا کیوں کہ اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان رخصت نہیں ہوتا۔ رسالت مآبؐ سے جو ایک گونہ تعلق ومحبت ہے۔ آپؐ کی شان کریمی اس پر نظر رکھتے ہوئے میری مغفرت کا سامان کرے گی۔ اور آپؐ میری شفاعت کا ذریعہ بنیں گے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اس قصیدے کے ذریعے دنیوی مال ومتاع کے خواہاں نہیں ہیں۔ تا عمر غلط کاریوں کی تلافی کے لیے یہ قصیدہ لکھا ہے اور یہی میری نجات کا باعث ہوگا۔ شاعر نے دنیاوی مال ومتاع کو اور اس کی فانی لذّتوں کو کلی اور ناشگفتہ پھول سے تشبیہ دی ہے جس سے کوئی شخص ہمیشہ لطف اندوز نہیں ہو پاتا۔ کیوں کہ یہ بہت جلد مرجھا جاتا ہے۔

فصل دہم: فی ذکر المناجات و عرض الحاجات (مناجات وعرض حاجات):

گذشتہ اشعار میں امام بوصیریؒ نے رسول پاکؐ کی صفات ذات اور کمالات کو اتنی بار بیان کیا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور ان کے خیال وذہن کے نہاں خانے میں رچ بس گیا اور محسوس ہونے لگا کہ آپؐ سامنے تشریف فرما ہیں۔ تب بوصیریؒ یوں عرض کرنے لگے: ''اے ساری مخلوق میں سب سے برگزیدہ نبی! آپؐ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں کے وقت میں جس سے شفاعت کی آس لگاؤں کیوں کہ کل میدان محشر میں جب سارے انبیاء کرام اور پیغمبران نفسی نفسی کہتے ہوں گے کسی میں بھی اتنی ہمت وجرأت نہ ہوگی کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں عام مخلوق کی شفاعت کے لیے التجا کر سکے۔ ایسے وقت پر آپؐ بارگاہ رب العزت میں

حاضر ہو کر اذن شفاعت طلب کریں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہوگی تو آپ اپنی شفاعت کے ذریعے گنہ گار امتیوں کو پریشانی سے چھٹکارہ دلائیں گے اور ان کے لیے مسرت و شادمانی کا سامان کریں گے۔ ۱۰۷

مناجات عرض حاجات کی اس فصل میں الحاقی اشعار کی تعداد زیادہ ہے۔ آخر میں امام بوصیریؒ نے گناہوں سے مغفرت اور عفو تقصیر کی التجا کی ہے۔ اور بجا طور پر یہ امید ظاہر کی ہے کہ اگرچہ گناہ بڑے ہیں مگر نگاہ کرم میں بہت چھوٹے ہیں۔ یہاں رحمت سے مراد وہ رحمت خاص ہے جو گناہ گاروں کو حاصل ہوگی۔ یعنی جس کا گناہ بڑا ہوگا اس کا حصہ رحمت بھی بڑا ہوگا۔ اور جس کا گناہ چھوٹا ہوگا اس کا حصہ رحمت بھی چھوٹا ہوگا۔ قصیدہ کے اختتام پر امام بوصیریؒ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ ''مولا! تیری ذات سے جو امیدیں میں نے باندھ رکھی ہیں۔ اس کے خلاف معاملہ میرے ساتھ نہ ہو اور تیری ذات سے وابستہ میرے حسن ظن میں کوئی رخنہ نہ آئے'' ۱۰۸ آخری شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! قیامت تک اپنے محبوب اکرمؐ پر رحمت کی موسلا دھار لگاتار بارش برساتا رہ۔'' اور اس کے ساتھ ہی قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

دیوان اشرف الاشعار

سید عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی نے اپنے نعتیہ دیوان کا نام ''العمل المقبول فی مدح الرسول، مسمّی بہ دیوان اشرف الاشعار'' رکھا ہے۔ اس دیوان کے مقدمے میں وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ نعتیہ دیوان سعادت دارین حاصل کرنے، ثواب جزیل اور اجر جمیل پانے کے علاوہ اپنی مغفرت اور نجات حاصل کرنے کے لیے لکھا ہے۔ اس دیوان میں اشرف گلشن آبادی نے چند اشعار مدح ہندی (یعنی اردو) اور فارسی میں بہ شکل نعت اور منقبت لکھے ہیں۔ اس دیوان میں قصیدہ بردہ کے اردو ترجمے کے علاوہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی حیدرؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کی شان میں کئی قصیدے ہیں۔ ابتدائی سات قصیدے فارسی زبان میں رسول پاکؐ کی شان میں ہیں۔ آٹھواں قصیدہ مدح غوث الاعظم میں ہے۔ اس کے علاوہ قصیدہ صفت ابجد، قصیدہ فارسی صفتِ حرفین، قصیدہ در نعت خصوصیات رسول اللہ، قصیدہ در مدح حضرت علیؓ، قصیدہ در مدح حضرت امام ابوحنیفہؒ، قصیدہ درِ مدح حضرت امام شافعیؒ، قصیدہ مناجات فاتحہ، قصیدہ وجدانی اور کئی فارسی غزلیں، مسدّس، مخمّس اور مستزاد لکھے ہوئے ہیں۔ اگر رسول پاکؐ کے فارسی قصائد کو گنا جائے تو یہ تعداد میں ۲۷ ہوتے ہیں۔ ترجمہ قصیدہ بردہ اس دیوان کے صفحے نمبر ۸۷ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۹۶ پر ختم ہو جاتا ہے۔ قصیدہ بردہ سے پہلے اس میں ایک قصیدہ دیوانِ قصائد اشرف کی تاریخ سے متعلق ہے۔ اس سے دیوان اشرف کے سنۂ

تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

عبدالفتاح کے مطبوعہ دیوان میں سب سے بڑا سرمایہ قصیدوں کا ہے۔ قصیدہ نگاری میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان قصیدوں میں تمام روایتی اور فنی عناصر موجود ہیں۔ جس سے ان کی قدر و قیمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قدیم کلاسیکل شعراء کے کلام کے مطالعے نے مولوی عبدالفتاح کی شاعری کو بلندی اور رفعت عطا کی۔ نعت نگاری ابتدا سے ہی ہمارے شعرا کا خاص موضوع رہا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری نعتیہ قصیدوں کی دولت سے مالامال ہے۔ آج بھی ان موضوعات کی کتابیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ مذہبی جذبات کی آسودگی کے لیے یہ ذخیرہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ عبدالفتاح شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے حمد و نعت کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی کہی ہیں۔ ان کی غزلوں میں زیادہ تر صوفیانہ عقائد ملتے ہیں۔ بعض غزلوں میں عشق عاشقی اور ہجر و وصال کے مضامین بھی ملتے ہیں۔ ان کی ایک فارسی عشقیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں؛

در شب تاریک اگر دلبر نماید آفتاب — خفتگان رافتنۂ محشر نماید آفتاب
صبحدم در صحن خانہ گر در آید بے حجاب — از شعاع روی او بضطر نماید آفتاب
در چمن کردد خرامان آن صنوبر قد اگر — از نزاکت سرورا برسر نماید آفتاب

عبدالفتاح کے کلام میں دبستان دہلی کی بہت سی خصوصیات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ ان کی طرزِ ادا میں سادگی، شگفتگی اور فطری انداز نمایاں ہے۔ وہ اپنے جذبات کی ترجمانی بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے کرتے ہیں۔ انھوں نے غزل گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ محمد رفیع سودا کی طرح مزاجاً قصیدے کے شاعر تھے۔ ان کے اشعار پُرزور اور پُرشکوہ الفاظ سے مملو ہیں۔ لیکن طنطنہ خیز نہیں ہیں۔ ہر صنف سخن کے کچھ فنی تقاضے ہوتے ہیں۔ ترسیل مطالبات کے ساتھ طرز ادا قصیدے میں عظمت کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ قصیدے میں عبدالفتاح کی قامت دوسری نثری اور شعری اصناف سے بلند نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی قصیدہ نگاری کی بنیاد عربی اور فارسی کے بلند پایہ قصیدہ نگاروں کی روایت پر استوار رکھی تھی اور ان کے معیاروں کو پیش نظر رکھا تھا۔ وہ تشبیب، گریز، مدح اور مدعا کے آداب و لوازم اور ان کی ادبی اہمیت سے پوری

واقفیت رکھتے تھے۔ اردو اور فارسی زبان میں حضورؐ کی مدح سرائی نعت شریف اور مولود ناموں میں ہوئی ہے۔ جب کہ عربی زبان میں آپؐ کی مدح سرائی صرف قصائد میں ہوئی ہے۔ نعت کا موضوع کسی خاص ہیئت سے مخصوص نہیں ہے۔ آپؐ کی توصیف اور سیرت پاک کا تذکرہ شاعری کی کسی بھی ہیئت میں کیا جاسکتا ہے۔ شعرائے مقدمین نے نعت کے موضوع کی کسی خاص ہیئت تک محدود نہیں رکھا ہے ان کے یہاں رباعی، مخمس، مسدس اور قطعہ وغیرہ میں بھی نعتیہ کلام موجود ہے۔

عبدالفتاح اشرفؔ گلشن آبادی کا ترجمہ قصیدہ بردہ انیسویں صدی کی عام فہم معیاری اردو میں ہے۔ ترجمہ نگار اصل فن پارے کے مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے قلم اٹھاتا ہے اور اپنی نئی مگر پرانی تخلیق کو حتمی طور پر پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ عبدالفتاح ایک کامیاب ترجمہ نگار ہیں۔ ان کے اس ترجمے پر بھی تخلیق کا گمان ہوتا ہے۔ ترجمے میں مصنف کے بنیادی خیال کی ترسیل ہی مقصود بالذات ہوتی ہے۔ ترجمے کے عام قارئین کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ اصل تصنیف میں کیا تھا۔ یا اس کا انداز بیان کیا تھا وہ ترجمے کو اصل کے نعم البدل کی حیثیت سے پڑھتے ہیں۔ ترجمہ میں جو کچھ ہوتا ہے قاری کے لیے وہی سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن قصیدہ بردہ کا ترجمہ جس زبان میں بھی ہوا۔ اس کے شارحین اور مترجمین نے اس مبارک قصیدے کے مفہوم کو اس قدر واضح کر دیا کہ مؤلف کا مقصد اور وہ عشق رسولؐ جو مولف یعنی امام بوصیریؒ کے دل میں موجزن تھا۔ ہر پڑھنے والا بآسانی اس کو سمجھ سکے۔ اس قصیدے کے تلازمے اور استعارے ہی قاری کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کا ترجمہ شاعر یا مصنف کے نقطۂ نظر، مرکزی خیال یا جذبے کا امین اور عکاس ہوتا ہے۔ ترجمہ نگار کی زبان تکنیک، اسلوب اور ہیئت موضوع و مواد کے عین مطابق ہوتی ہے۔ ترجمے کی زبان نئی اور دلکش ہوتی ہے اور ادبی سرمائے میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ مشہور تنقید نگار عنوان چشتی اس تعلق سے لکھتے ہیں کہ:

> ''منظوم ترجمے میں جمالیاتی کیفیت اور شعریت بھی ہوتی ہے۔ اس طرح ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل خیال یا انتقال فکر کا سادہ

عمل ہوتے ہوئے بھی بہت پیچیدہ اور محنت طلب عمل ہے۔ جس کے لیے تحقیقی دیانت، تنقیدی بصیرت اور تخلیقی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

۱۰۹

مولوی عبدالفتاح کا ترجمہ، ترجمہ نگاری کے جملہ اصولوں پر کاربند نظر آتا ہے۔ انھوں نے سلیس اور عام فہم اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ عربی اور اردو، دونوں زبانوں کے ادب سے بخوبی واقفیت اور نعت گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے ان کا ترجمہ بجا طور پر ایک اچھا اور نفیس ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ عربی قصیدوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی ابتدا عشقیہ مضامین سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اصل مضمون کی طرف گریز کرتی ہے جس میں عموماً عاشق اپنے ہجر کی داستان بیان کرتا ہے۔ اور اس کا دل و دماغ اپنے محبوب کے تصور میں اس کی بستی اور مکان کے اردگرد گھومتا رہتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ میرا معشوق اسی مقام پر رہتا ہوگا وہ یہاں گلی کوچوں میں چلتا پھرتا ہوگا۔ اس نے اپنا بچپن اور جوانی یہاں گزاری ہوگی۔ امام بوصیریؒ کے اشعار اور عبدالفتاح کے ترجمے میں یہ تمام چیزیں نظر آتی ہیں:

امام بوصیریؒ	عبدالفتاح اشرف
أمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ	ہے محبت کس حبیب خاص کی اس جا بیان
مَزَجْتَ دَمْعاً جَرَىٰ مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ	یاد میں جس کی ہوا خون تیری آنکھوں سے رواں
أمْ هَبَّتِ الرِّيْحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ	یا چلی ہے کاظمہ کے باغ سے باد نسیم
وَ أوْمَضَ الْبَرْقُ فِيْ الظَّلْمَاءِ مِنْ إضَمٍ	یا درخشاں برق صحرائے! اضم سے ہے عیاں
فَمَا لِعَيْنَيْكَ إنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا	کیا ہوا آنکھوں کو روویں منع کرنے سے زیاد
وَمَا لِقَلْبِكَ إنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ	کیا ہوا دل کو بہلاویں تو ہو شورش کنان

عبدالفتاح یہاں ناظم قصیدہ بردہ کی طرح کہتے ہیں کہ کس خاص حبیب کی محبت تیرے دل کو بے قرار کر رہی ہے۔ اگرچہ وہ اس کوشش میں ہے کہ یہ راز فاش نہ ہو۔ مگر آنکھوں نے دل کا راز ظاہر کر دیا ہے اب تو اپنے محبوب کا نام چھپا کر ایک خاص مقام (ذی سلم) کو ظاہر کر کے وہاں کے ہمسایوں کا ذکر کرتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ اس مقام (ذی سلم) کے ہمسایوں

میں سے وہ کون خاص ہستی ہے جس کی مخصوص یاد میں تیری آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہیں۔ یہاں عبدالفتاح نے ذی سلم کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا ہی کہا، "ہے محبت کس حبیب خاص کی اس جا بیان"

دوسرے شعر میں وہ بوصیریؒ کی طرح کہتے ہیں کہ یا کاظمہ کے باغ سے ہوائے محبت چلی ہے جو بوئے کاکلِ (زلف) محبوب یاد دلا رہی ہے جسے سونگھ کر بے تابی بڑھ گئی اور آنکھوں سے خون بھرے آنسو جاری ہو گئے یا پھر کوہ اضم سے برق محبت چمکی جس کی روشنی میں تجھے دیار محبوب نظر آیا اور بے تابانہ رو پڑا۔ لہٰذا صاف صاف بتا کہ ان تینوں میں سے کون سا سبب تیرے بے تاب ہونے اور خون کے آنسو رونے کا ہے۔ یہاں "کاظمہ" سے مراد ایک شہر کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے منور فرما دیا۔ ۱۱۰ اور "اضم" مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس پہاڑ پر صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جلوہ افروز ہوتے رہے ہیں۔ ۱۱۱ پھر اگلے شعر میں کہتے ہیں کہ کیا ہوا تیری دونوں آنکھوں کو اگر تو انہیں رونے سے روکتا ہے تو اور زیادہ بہنے لگتی ہیں اور دل پر ایسا کون سا صدمہ گزرا ہے کہ جب تو کہتا ہے کہ ذرا سنبھل اور ہوش کر تو وہ اور زیادہ مغموم ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ دیار محبوب کا ذرہ ذرہ اس قصیدے کے مصنف امام بوصیریؒ کے سامنے ایک حسین منظر پیش کرتا ہے۔ وہاں کی خاک اس کے سر درد کے لیے صندل اور بینائی کے لیے سرمہ کا کام دیتی ہے۔ وہ اسی کشمکش میں آہیں بھرتا اور گریہ وزاری کرتا ہے۔ اور اپنے حسین مرض کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس عاشق کی کیفیت دیکھ کر اس کے دوست احباب سمجھ جاتے ہیں کہ یہ مریض عشق ہے وہ ہر طرح شاعر کو سمجھاتے اور دلاسہ دیتے ہیں۔ جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آخر وہ ان سب ناصحوں سے التجا کرتا ہے کہ وہ یہ عجز و احترام اس کا سلام شوق اور اس کی بے بسی اور دردِ دل کا حال محبوب تک پہنچا دیں۔ یہاں مولوی عبدالفتاح نے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ ؎

موج سے دریائے غم کے روز و شب بہتا ہے دل	یاد اس کے وصل کی زندہ رکھے ہے شادماں
ناصحا کب تک ملامت، عذر مجنوں ہو قبول	ہجر میں عاشق کے دل کو کب رہے تاب و تواں

اسی طرح اس قصیدے کے ناظم امام بوصیریؒ اپنے محبوب کا نام اور محبت کا اظہار کیے بغیر اپنے عالم خیال اور دیوانگی میں "مدینہ منورہ" کے اطراف و اکناف کی پہاڑیوں اور کھنڈروں کو اِضم اور موضوع ذی سلم میں گھومتے رہتے ہیں۔ اندھیری رات میں بجلی کی چمک کے سہارے ان کو دیارِ حبیب نظر آجاتا ہے اور وہ بے تاب ہوجاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔

امام بوصیریؒ	اشرف گلشن آبادی
وَاخشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوعٍ وَّمِنْ شِبَعٍ	نفس کے حیلوں سے ڈر یا بھوک یا سیری میں ہو
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ	ہے گرسنہ پن کبھی سیری سے بدتر خوب جان
وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ	رو، ندامت سے تو کر آنکھوں سے جاری اشک کو
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ	یہ تلافی ہے گناہوں کی برائے عاصیان

اب وہ اپنے معشوق (رسول ﷺ) کو یاد کرتے ہوئے خود کو نہایت حقیر سمجھ کر اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور اس نفس کو تزکیہ نفس اور آخرت کے لیے کارِ خیر اور عبادت الٰہی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ سردارِ دو عالمؐ کی سچی محبت کرنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ مندرجہ بالا اشعار میں ناظم قصیدہ اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھوک اور سیری میں نفس کی پر فریب چالوں سے ڈرتا رہ کیوں کہ کبھی کبھی فاقہ کی کیفیت بدہضمی سے زیادہ بری ثابت ہوتی ہے۔ اور آنکھ جو نامحرموں اور حرام چیزوں کو دیکھتے دیکھتے گناہوں کی گندگی سے بھر گئی ہے اس کی صفائی کا طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور شرم ساری کے آنسو اس قدر بہاؤ کہ آنکھوں کا چشمہ خشک ہوجائے جیسے گندے کنویں سے سارا پانی نکال کر اس کی صفائی کی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد ہمیشہ یہ ندامت برقرار رکھ تاکہ دوبارہ گناہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ انسان کے اندر خواہشات کا سرچشمہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) دل (۲) نفس (۳) شیطان۔ اگر دل کوئی کارِ خیر کرنا چاہتا ہے تو نفس امارہ اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ نفس اور شیطان دونوں ہی دل کے فریق مخالف ہوتے ہیں اس لیے امام بوصیریؒ کہتے ہیں کہ نفس اور شیطان کی مخالفت اور حکم عدولی کرنی چاہیے اور کسی حال میں بھی ان کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ ۱۱۲

نفس اور شیطان انسان کے ابدی دشمن ہیں۔ اور ابدی دشمن سے خیر خواہی کی امید رکھنا انسان کی غلطی اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بوصیریؒ کہتے ہیں کہ نفس اور شیطان اگر بھلی بات بھی بتائیں تو سوچ سمجھ کر ان کی تعمیل کرنا چاہیے کیوں اس میں بھی کوئی خاص راز پوشیدہ ہوتا ہے۔ شیطان کی شرارت باطنی میں ایک حکایت مثنوی معنوی میں مولانا جلال الدین رومیؒ نے نقل کی ہے لکھتے ہیں کہ ''حضرت معاویہؓ سو رہے تھے کہ صبح سے قبل شیطان آیا اور پکارا ''حی علی الفلاح'' حضرت معاویہؓ نے اپنی خطابت سے اسے جانا اور فرمایا کہ تو مجھے جو ''حی علی الفلاح'' کہنے آیا تو کیسے؟ تیرا کام تو نماز قضا کرانے کا تھا۔ شیطان نے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن تمھاری صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے رہ گئے تھے تو اس کی ندامت میں آپ دن بھر غمگین رہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر آپ کے اعمال صالح اس دن دو چند کر دیے گئے تو میں نے خوف کیا کہ اگر آج بھی آپ کی نماز فوت ہوتی ہے تو اسی طرح آپ ''اعمال مضاعفہ کے حقدار ہو جائیں گے۔'' لہٰذا امام بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے (شیطان کے) نیک مشورے سے بھی ہشیار رہنا، بلکہ اس کی بھی مخالفت ہی کرنا، کیوں اس میں بھی کوئی خاص شرارت مضمر ہوگی۔ ۱۱۳

ان تمام باتوں کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کو نبی پاکؐ کی ریاضت اور عبادت کا خیال آجاتا ہے۔ اور کہنے لگتے ہیں کہ ''میں نے اس ذات اقدس کا جن کی محبت کا دم بھرتا ہوں ان کے صحیح طریقہ سنت و عمل کو فراموش کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ رسول پاکؐ جو تمام رات یاد الٰہی میں مشغول رہتے یہاں تک پائے مبارک پر ورم آجاتا، اور فاقوں کے سبب سردارِ دو جہاںؐ نے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے تھے۔'' مولوی عبدالفتاح اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ:۔

تھا قیامِ شب کہ پیروں میں ورم آتا بہت — سنگ باندھے بر شکم اور شکر میں جاری زبان
کوہ سونا اور سنگریزہ جواہر بن گئے — پھر بھی حضرت نے نگاہ اس پر نہ کی لینا کہاں
خود گرسنہ اور لوگوں کو کھلاویں نعمتیں — آپ فاقے کریں حاجت روائے دیگران
خلق سے شامل ادھر اللہ سے واصل ادھر — رہبر مخلوق سوئے خلق کون و مکان

حق کا ہے محبوب کامل صورت و معنی میں تمام — وہ ہے شمس نور وحدت اور سب ہیں اختران
نسبت مدح و شرف جو کچھ کہو اس کی ہے خوب — ہے ابوالارواح نور خاص رحمت کی شان
ہے بہارستان محبوبی شرف میں مثل بدر — ہے سخا میں مثل دریا ذی ہمم عالی مکان
دو جہاں مثل صدف و دُرِّ مکنون آبدار — ہے دہن جو دُرج پُر دُر لعل لب گوہر فشان

امام بوصیریؒ نے ان اشعار میں رسول پاکؐ کی شب بیداری کے علاوہ اخلاق و اوصاف حمیدہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپؐ کی عبادت، ریاضت اور شب بیداری کا یہ عالم تھا کہ عبادت کرتے ہوئے قیام کی وجہ سے قدموں پر ورم آجاتا تھا اور بھوک کی شدت میں پتھروں کو شکم مبارک سے باندھ لیتے تھے۔ افسوس کہ ہم ان کی سنت کا حق ادا نہ کر سکے۔ اور سونے کے بلند و بالا پہاڑ بحکم خدا آپؐ کے پاس تشریف لائے اور پروردگار نے مکہ کے سارے کنکروں کو جواہر کی شکل میں پیش کیا۔ لیکن آپؐ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ یہاں شاعر نے رسول اللہؐ کے زہد و استغنا اور عزم و استقلال کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے سابقین کو جو اوصاف و کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے وہ سب رسول اللہؐ کی ذاتِ مقدسہ میں جمع فرما دیے تھے۔ انبیاء کرام کی سبھی خوبیاں اسی (آپؐ) آفتاب کے فیض و برکات کے پرتو، اسی بحر جود و سخا کا ایک چلو اور اسی باران رحمت کا ایک قطرہ ہیں۔ رسول اللہ کی قدر و منزلت کی بلندی آپؐ کے معجزات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب فضل و کمال ہیں اور انبیاء کرام ستارے ہیں۔ رسول اللہ کی ذات شریف میں حسن و صورت کے ساتھ جمال سیرت اور خوبی اخلاق بھی پائی جاتی تھی۔ شاعر کا کہنا ہے کہ آپ تازگی میں کلی کی مانند ہیں۔ اوج و رفعت میں ماہ کامل کے مثل، جود و سخا میں سمندر کی اور عزم و حوصلہ میں زمانے کی مانند ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیپ میں پوشیدہ موتی آپ کے تکلم اور تبسم کی کانوں (معدن) سے ہیں اور کوئی خوشبو اس مہکتی خاک کی برابری نہیں کر سکتی جس میں سرکارِ دو عالم کا جسم اطہر ہے۔ آج بھی مدینہ منورہ کے در دیوار سے وہ خوشبوئیں آ رہی ہیں جنھیں عشاق رسول شامۂ محبت سے سونگھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آقائے کونین کا مدینہ طیبہ کے کسی کوچے سے

گذر ہوتا تو گذر جانے کے بعد بھی آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی اور وہ سمجھ جاتے کہ یہاں سے رسول اللہ کا گزر ہوا ہے۔ ۱۱۴ ابو عبداللہ عطارؔ علیہ الرحمہ نے بہت خوب کہا ہے:

بِطِیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ طَابَ نَسِیْمُھَا فَمَا الْمِسْکُ مَا الْکَافُوْرُ مَا الصَّنْدَلُ الرَّطَبُ

(یعنی: اللہ کے رسولؐ کی خوشبو سے ہوائے مدینہ بھی خوشبودار ہوگئی۔ تو کیا ہے مشک، کیا ہے کافور، کیا ہے تروتازہ عودوصندل)

احادیث شریف میں آیا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش اسی خاک سے ہوتی ہے جس میں وہ دفن ہوتا ہے تو وہ خاک پاک جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں۔ حضورؐ کے جسد اطہر کا جز ہوئی اور حضورؐ کے صدقے میں تمام عالم، لوح وقلم اور عرش وکرسی عالم وجود میں آیا اس بات صاف ظاہر ہے کہ سرکار دوعالم کا مزار مبارک تمام عالم سے افضل ہے۔ امام بوصیریؒ کے اس شعر میں حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درج ذیل اشعار کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے رسول پاکؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے مرثیہ میں کہے تھے۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَا اَنْ لَّا یَشَمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(ترجمہ: جو شخص رسول اللہؐ کی تربت اطہر کو سونگھ لے تو اسے کبھی کسی خوشبو کے سونگھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اور مجھ پر ایسی زبردست مصیبتیں ڈال دی گئی ہیں کہ اگر ان کو دنوں پر ڈالا جاتا تو وہ رات ہوجاتے) ۱۱۶

اب یہاں سے شاعر عشق احمدیؐ میں ڈوب کر حضور پاکؐ کی ولادت طیبہ اور خاندانی شرافت کا ذکر نہایت فصاحت سے فرماتے ہیں۔ عبدالفتاح نے ان اشعار کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

وقت میلاد اس کے بوئے خوش چلی عنبر سرشت اب تلک جس سے معطر ہے مشام انس وجان

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کی ولادت طیبہ کے وقت عجیب وغریب کرامات کا مظاہرہ کیا۔ جن میں ایک وصف یہ بھی تھا کہ کوئی خوشبو استعمال کیے بغیر آپؐ کے جسم اطہر سے بھینی

بھینی خوشبو پھوٹتی تھی جس سے گلی کوچے معطر ہوجاتے تھے اور بعد وصال بھی یہ خوشبو تربت انور سے پھوٹتی ہے۔ جسے عشاقِ رسولؐ محسوس کرتے ہیں۔ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لکھتے ہیں کہ:

"حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ بوقت ولادت ایسا نور مستیز ہوا۔ کہ زمین سے آسمان تک ہر شے روشن تھی۔ اس نور میں مجھے قصور شام نظر آنے لگے اور ایک انوکھی شان کی خوشبو مہکی۔ جس نے مشام دماغ معطر کردیے۔ میرے مکان کی ایک سمت سے آواز آئی اے آمنہ انھیں تین روز تک ظاہر نہ کرو۔ ملائکہ سلام کے لیے حاضر ہو رہے ہیں۔ حضورؐ وقت ولادت ید قدرت سے مختون و ناف بریدہ تھے اور آپ کا جسد اطہر آلائش سے پاک تھا۔ یہ قدرت کا غسل فرماتے ہوئے جلوہ گر ہوئے۔" [117]

مولوی عبدالفتاح ولادت نبیؐ کے ذکر میں کہتے ہیں کہ:۔

ملک فارس میں تزلزل پڑ گیا اس رات کو — سب نے جانا اب ہوا پیدا نبی آخر زمان
طاق کسریٰ [118] کسر پایا گر پڑے چودہ مینار — بعد چودہ پشت شاہی گم ہوئی اس کی وہان
ساہیہ [119] کے دشت میں جاری ہوئی نہر عظیم — اور بجھا آتش کدہ [120] اصطخر کا بھی ناگہان
ہوگیا ساوہ [121] کا دریا خشک جوں صحرائے ریگ — تشنہ گوں کی چشم سے اس غم سے تھا دریا روان
آسمان سے [122] رجم شیطان کے لیے آتش گری — سرنگوں بت گر پڑے دنیا میں سارے ایک سان
بھاگتے شیطان سارق آسماں سے سوئے ارض — تھے حلقے آتشیں مثل شہاب ان پر روان
ابرہہ [123] کی فوج کی جیسی خرابی ہوگئی — یا کہ سنگریزوں سے بھاگے سب شجاعان زمان
سنگریزہ اس ید اطہر میں تھا تسبیح گوئی — جس طرح یونس تھے بطن حوت [124] میں تسبیح خوان

ولادت نبی کے مبارک موقع پر شاہ ایران (فارس) کے محل میں زبردست زلزلہ آیا جس کے جھٹکوں سے اس کے چودہ مینار ٹوٹ کر گر پڑے۔ امام بوصیریؒ نے اس فصل میں ان ہی واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ رسول پاک کی ولادت طیبہ کے وقت شاہ ایران کے محل

میں ایسا زلزلہ آیا کہ اس کا پائیدار اور مضبوط محل بھی شکستہ ہو گیا۔ ایوان کسریٰ کے گرنے کے غم میں آتش کدہ کے شعلے سرد پڑ گئے اور رنج و غم کی وجہ سے دریائے فرات اپنا راستہ بھول بیٹھا۔ اور اہل ساوہ کو یہ غم پہنچا کہ ان کی جھیل خشک ہو گئی اور اس پر آنے والے پیاسے لوگوں کو غم و غصہ کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ ولادت طیبہ کے دن مشرق اور مغرب کے جن ایک دوسرے کو آپؐ کی ولادت کی خوش خبری دے رہے تھے۔ بہت سی روایتوں میں ہے کہ جنات نے حضورؐ کے ظہور کی بشارتیں دیں۔ بشارتوں کا اعلان ہوا اور سارا عالم اس نور سے روشن اور تابندہ ہو گیا۔ لیکن کفار مکہ نے ان دلائل اور نشانیوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور کفر و شرک و بت پرستی میں مبتلا رہے۔ قرآن کریم نے ان کفار و مشرکین کی بڑی صحیح تصویر پیش کی ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (پارہ۔ ۹۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۱۷۹)

(ان کے دل ایسے ہیں جن میں سمجھ نہیں، اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ، وہی غفلت میں پڑے ہیں)۱۲۵

ان کفار و مشرکین کو کاہنوں نے بتا دیا کہ اب ان کا باطل دین قائم نہیں رہے گا۔ اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ ولادت نبوی کے وقت آسمان سے ستارے ٹوٹ کر گرے اور زمین کے بت بھی اوندھے ہو کر گر پڑے۔ یہاں تک نزول وحی کی راہ یعنی آسمان کی جس راہ سے حضرت جبرئیل وحی لے کر اترتے تھے وہاں سے شیاطین شکست خوردہ اور ناکام ہو کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔ وہ بھاگنے میں ابرہہ (یمن کا وہ حکمران جس نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا) کے سپاہیوں کی طرح تھے۔ یا اس لشکر کی طرح جس پر رسول اللہ نے جنگ کے دوران اپنے ہاتھوں سے کنکریاں پھینکیں۔ یہ واقعہ جنگ بدر اور حنین میں ظاہر ہوا تھا کہ جب جنگ بدر کے دن کافروں کے لشکر جرار نے پوری تیاری اور قوت کے ساتھ حملہ کر دیا تو حضورؐ نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر کفاروں پر پھینکیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ کفار میدان چھوڑ کر بھاگ

نکلے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک میں ان کنکریوں پر تسبیح پڑھی اور وہ دشمنوں پر ڈال دیں اور حکم الٰہی سے انھیں فتح و کامرانی ملی۔ آپ کا یہ ردعمل بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے شکم ماہی میں تسبیح پڑھی اور اس نے اللہ کے حکم سے انھیں اپنے شکم سے باہر کردیا۔ یعنی انھیں بھی تسبیح کی برکت سے ایک بڑی مصیبت سے نجات ملی۔

اگلی فصل میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر ہے۔ ان معجزات میں درختوں کا چل کر آنا۔ بادل کا سایہ فگن ہونا۔ معجزۂ شق القمر اور شق صدر، غارِ ثور کا واقعہ، نزول وحی کی صورتیں۔ طبیب روحانی اور جسمانی۔ اور عرم کے سیلاب کا واقعہ شامل ہے۔۱۲۶ ان معجزات کا ذکر مولوی عبدالفتاح نے اپنے ترجمے میں اس طرح کیا ہے۔

آپؐ کے فرمان سے آیا جھاڑ چل کر دور سے — ہے بجا لایا وہ سجدہ سامنے آ بے زبان
خط زمین پر ہو گئے شاخوں سے اس کے آشکار — ہے رقم اعجاز کا طغرا بسطح خاکیان
ابر سر پر سایہ کرتا اور رہتا تھا مدام — تا نہ ہو گرمی سے ایسے شمس انوار کو زیان
والقمر کی ہے قسم جو شق ہوا تحقیق ہے — نسبت نادر بقلب آن شہ دارلجنان
غار میں خیر و کرامت کس قدر سے بس گئی — سب طرف کفار پھرتے اور نہ پاتے تھے نشان
صادق و صدیق دونوں غار میں بیٹھے تھے خوش — بولتے کفار یہاں کوئی نہیں رہے گا نہان
کب رکھے بیضہ کبوتر کب تنے ہیں عنکبوت — تار کب قائم رہے گر کوئی آ بیٹھے یہاں
وحی سے انکار مت کر خواب حضرت ہے صحیح — خواب ہے گرچشم میں ہر دل میں بیداری عیان
خواب ہے جزو نبوت اول پیغمبری — معجزہ تھا وہ نہ تھا مانند خواب دیگران
ہاتھ ملنے سے شفا پاتے تھے بہترے مریض — آرزو محتاج دیوانوں کی بخشا ہر زمان
قحط سالی میں دعا کی خیر و برکت ہوئی نمود — خوب ارزاں ہو گئی ہر جنس و غلہ وے گران
سیل آئی ہے عرم میں اور ہوئی آتش پدید — برسر کوہ علم یہہ معجزے کا ہے بیان
معجزے ایسے بہت ہیں اس جناب پاک کے — نظم کو ہر پیکران تحریر میں آویں کہاں

آپؐ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر پاؤں اپنے تنوں پر چلتے ہوئے

سیدھے آپؐ کی بارگاہ میں تشریف لاتے اور ان درختوں کے آتے ہی لگتا تھا ایک سطر کھینچی گئی ہے اور ان درختوں کی شاخوں نے راہ میں ایک انوکھی تحریر چھوڑ دی ہے۔ اسی طرح آپؐ جہاں تشریف لے جاتے ابر کا ایک ٹکڑا آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتا اور دوپہر کو آفتاب کی سخت گرمی سے آپؐ کو بچاتا۔ شق القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ رسول پاکؐ کے عظیم الشان معجزات میں سے ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ القمر کی ابتدائی آیت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اہل مکہ کے اصرار پر آپؐ نے اپنی انگشت شہادت کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا تھا۔ دوسرا معجزہ شق صدر کا ہے آپ کا سینہ مبارک بحکم الٰہی چار مرتبہ چاک کیا گیا۔ پہلی مرتبہ بچپن میں جب آپؐ دائی ماں کی پرورش میں تھے اس موقع پر حضرت جبرئیل نے آپ کا سینہ چاک کیا قلب مبارک کو باہر نکالا اور اس میں سے خون کے چند قطرے نکال کر کہا:

"ھذا حظُ الشَّیطَانِ مِنکَ" آپؐ ان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہیں جس میں دوسرے بچے مبتلا ہو کر شرارتیں کرتے ہیں۔ دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں۔ تاکہ آپؐ مکمل اخلاق حسنہ اور بہترین اوصاف سے مزین ہو کر جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ بعثت نبوت کے وقت تاکہ آپؐ وحی الٰہی کے عظیم بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ اور چوتھی مرتبہ شب معراج میں تاکہ آپؐ مناجات الٰہی کے لیے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ ۱۲۷

اس سے بعد تینوں شعر میں حضورؐ کی ہجرت کا بیان ہے۔ اس سراپا خیر و مجسم کو غار ثور نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا جہاں آپؐ اپنے جان نثار صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھے اس غار میں دونوں نے تین رات قیام فرمایا تھا جب کفار کوہ ثور پر پہنچے تو اس کے منہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اور غار کے دہانے پر کبوتروں نے انڈے دے رکھے تھے۔ اس لیے ان کفاروں کو غار میں کچھ نظر نہ آیا اور وہ نا امید ہو کر وہاں سے واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی ایسی حفاظت فرمائی جو سیکڑوں آہنی اسلحے اور جنگجو نوجوانوں سے ممکن نہ تھی۔ امام بوصیریؒ کہتے ہیں کہ جب بھی اس دنیا نے مجھ پر ستم ڈھایا اور میں نے حضور سے پناہ مانگی تو مجھے آپؐ سے غیر معمولی پناہ ملی ہے اور انہی کے ذریعے دنیا و

آخرت کی بہترین بخشش ملی اور اے پریشان دل! تو حضورؐ کے خوابوں میں وحی اترنے پر انکار مت کر کیوں کہ آپ کا دل اس وقت بھی بیدار رہتا تھا جب کہ آنکھیں سو رہی ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے اور منزّہ ہے اور وحی نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی انسان شب و روز کی لگاتار ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو روحانی اور جسمانی ہر قسم کی لاعلاج بیماریوں کا معالج اور طبیب حاذق بھی بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ نے کئی لوگوں کو ہاتھ لگا کر ان کی بیماریوں سے انھیں شفا دی اور دیوانوں کی دیوانگی کو بھی دور کر دیا۔ اس معجزہ کے ثبوت میں بے شمار روایتیں اور واقعات ہیں جو حدیثوں اور سیرت نبیؐ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ کتنے مبارک تھے وہ لوگ اور کتنی سعادت مند تھیں وہ ہستیاں جنھیں رسول پاکؐ کے دست شفا کا لمس مل گیا۔ اور ان کی بگڑی بن گئی۔ آپؐ کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ بارہا آپؐ کی دعا کی برکت سے بادلوں سے ایسی زوردار بارش ہوئی کہ قحط رسیدہ پیڑ پودے سرسبز و شاداب ہو گئے۔ متعدد روایتیں بھی نزول یا باران رحمت کے عنوان سے ملتی ہیں۔

قصیدہ بردہ میں امام بوصیریؒ اب فضائل قرآن کے ذکر کرتے ہیں۔ قرآن شریف بذات خود ایک عالی شان معجزہ ہے۔ اس کی تعریف وتوصیف بڑے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں۔ قرآن کریم عجائب کا خزانہ ہے۔ اس کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ اس کی جتنی بار تلاوت کی جائے قاری آزردہ خاطر نہیں ہوتا بلکہ ہر بار پڑھنے والے کو نیا سرور اور نیا لطف محسوس ہوتا ہے۔ عبدالفتاح نے کلام اللہ کی تعریف کو اس طرح پیش کیا ہے:؎

ہے کلام اللہ نازل کامل الوصف و قدیم — نعت احمد کی سبھی مکتوب ہے اندر قرآن
یہ رہا باقی ہمارے پاس افضل معجزہ — دوسروں کا معجزہ کچھ بھی نہیں باقی یہاں
محکمات آیات قرآن بے شبہ ہیں نور حق — حجت قاطع بیان ساطع امام انس و جان
موج دریا کی طرح معنی ہیں اس کے آشکار — حسن جوہر لذت باطن ہے اس میں بے کران
گر پڑھے اکثر کوئی پھر اور پڑھنے کا ہو شوق — ہیں عجائب بے شمار اس میں رموز عارفان
چشم خوانندہ ہو روشن اس کے پڑھنے سے مدام — کر تلاوت تو نے پایا ہے یہ گنج شایگان

گر تو پڑھتا ہے اسے خوف جہنم کے لیے   سرد ہو نارِ جہنم تجھ پہ بے شک خوش بخوان

وہ صراط المستقیم اور عدل کی میزان ہے   راستی اور عدل کب لوگوں میں غیر از قرآن

شاعر قرآن کریم کی آیتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی اس ذات پاک کا ہے جو قدیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی احمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف اور نعت قرآن پاک میں کہی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جس پاک ہستی ﷺ کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہو۔ اے دل! اب مجھے آنحضرت کے پاک اوصاف بیان کرنے کی کیا حاجت ہے؟ وہ تو چمکتے ہوئے سورج کی طرح پوری عالم پر ظاہر ہو چکے ہیں اور قرآن پاک کی سچی آیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور یہ آیات قرآنی ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی۔ یہ آیات الٰہی خود حاکم اور ایسا فیصلہ کرنے والی ہیں کہ اختلاف کرنے والے کے لیے کوئی شبہ نہیں چھوڑتی ہیں اور نہ ان (آیات) کے فیصلہ میں کسی منصف کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ آیات قرآنی سے کبھی کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ مسلمہ کذاب ابن مقنع، ولید بن مغیرہ اور یحییٰ بن حکیم نے قرآن کریم کے مقابلہ کرنے کا خیال کیا لیکن اس کی فصاحت اور بلاغتِ مضمون سے مرعوب ہو کر تائب ہو گئے اور کہا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ ۱۲۸ قرآن کریم کے پڑھنے سے جس قدر لطف آتا ہے اتنا ہی اس کو پڑھنے کا شوق بڑھتا ہے۔ عارفوں کے لیے اس میں بے شمار رموز ہیں۔ اس کا پڑھنے والا مسرور و محظوظ ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ یہ کلام کسی خاص زمانے سے مخصوص نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ اور آئندہ آخرت کے حالات کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ یہ قرآن ہمیں قومِ عاد ۱۲۹ اور فراعنہ بادشاہ شدّاد کی جنت ارم ۱۳۰ کے متعلق خبریں بھی دیتا ہے۔ اور ان کی داستانیں بھی بیان کرتا ہے۔ امام بوصیریؒ کہتے ہیں کہ (اپنے اشعار میں) قرآنی آیات کثرت اور زیادتی میں سمندر کی لہروں کی طرح ہیں اور قدر و قیمت میں سمندر کے موتی اور جواہرات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اگر آتشِ جہنم کے ڈر سے انسان قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے اور ان پر عمل بھی کرے تو اس پاک کلام کی برکت سے وہ جہنم سے بچ جائے گا۔ کیوں کہ اس کی آیتیں جہنم کی آگ کو بجھاتی اور سرد کرتی ہیں۔ گویا یہ آیتیں نہر حیات ہیں۔ جس سے گنہ گاروں کے

چہرے روشن ہو جائیں گے۔ یہاں شاعر خود سے مخاطب ہے کہ اے دل، تو قرآنی آیتوں کے انکار کرنے والوں سے تعجب اور حیرت نہ کر، کیوں کہ کافر سمجھدار اور تجربہ کار ہوتے ہوئے بھی انجان بن کر ان آیتوں سے اور کلام الٰہی سے انکار کرتا ہے۔ امام بوصیریؒ ان اشعار میں معراج النبیؐ کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا اعزاز یہ بخشا کہ آپؐ کو شب معراج براق کی سواری بھیج کر اپنے پاس بلوایا اور دوبدو آپؐ سے گفتگو فرمائی۔ یہ رتبہ اور ایسی فضیلت کسی رسول اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس حیرت انگیز واقعہ نے ساری عالم انسانیت کو عموماً اور اہل ایمان کو خصوصاً اس درجہ متاثر کیا تھا کہ قصیدہ گوئی اور نعت گوئی کے ہر دور میں معراج کے موضوع پر بے شمار اشعار کہے گئے ہیں۔ اور متعدد نثری کتابیں بھی تصنیف ہوئی ہیں۔ مولوی عبدالفتاح نے بوصیریؒ کے ان تیرہ اشعار کا ترجمہ بہت سلیس اور سادہ زبان میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

خوش نصیب اس کا ہے جو سمت مدینے چلا — پاپیادہ ہووے یا مرکب ۱۳۱ ہو اس کے زیر ران
آیت کبریٰ تمھاری معتبر ہے ذات پاک — نعمت عظمیٰ تمھاری ہے صفت کا بیان
شب کو مکے سے چلے ۱۳۲ اقصیٰ کی جانب دھوم سے — جس طرح تاریک شب میں بدر ہو جلوہ کنان
رات کو منزل کیے ایسے مقام قرب میں — قاب قوسین ۱۳۳ اس سے ادنیٰ اور مکان تھا لامکان
انبیاء اور مرسلوں کے آپ تھے وہاں پیشوا — آپ تھے مخدوم اور سارے تھے اس جا خادمان
سب رسولوں سے گزر کر عرش سے ہو کر بلند — سب ملایک تھے جلو میں عالم روحانیان
طے کیے ساری مسافت بُعد کی اور قُرب کی — کوئی اس جا پر نہ پہنچا تھا کہ خود پہنچے جہان
درجۂ اعلیٰ وصال خود بخود ایسا ملا — عقل دور اندیش کا عاجز ہے یہاں وہم گمان
رتبہ جاہ و جلالت آپ کو اس جا ملا — جو فنا کی اور بقا کی معرفت سے ہے قرآن
ہو مسلمانوں کو مژدہ رحمت و برکت کے ساتھ — رکن پائندہ عنایت ہے کیا بر صالحان
افضل مرسل کیا حق نے جو حضرت کو یقین — ان کی امت بھی ہوئی افضل سبھوں سے بے گمان

گذشتہ اشعار میں امام بوصیریؒ رسول پاکؐ کا ذکر محبت وعقیدت سے کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا سراپا دل و دماغ پر چھا گیا اور اب یہ تصور آگیا کہ حضورؐ نظروں کے

سامنے ہیں۔ اور آپ کو سامنے محسوس کرتے ہی شاعر کا طرزِ کلام بدل گیا اور اب سرکارِ دو عالمؐ سے یوں التجا کی جا رہی ہے کہ: اے سب سے بہتر داتا، جس کے درِ دولت پر مانگنے والے پیدل اور برق رفتار اونٹنیوں پر سوار ہو کر دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ یعنی کہ رسول اللہ ﷺ حکمِ الٰہی سے اپنی بارگاہ میں آنے والے ہر محتاج کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری فرماتے ہیں اس لیے ہر سائل اور حاجت مند آپؐ کے درِ دولت کی طرف لپکا چلا آ رہا ہے۔ اگر سواری میسر ہے تو سواری سے ورنہ پیدل ہی آ رہا ہے۔ حضورؐ نے رات کے مختصر سے حصے میں ایک حرم سے دوسرے حرم تک سفر فرمایا جیسے چودھویں کا چاند تاریک رات میں اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا ہے۔ ان اشعار میں شبِ معراج کی طرف اشارہ ہے۔
واقعہ معراج کا بیان سورہ نجم کی مندرجہ ذیل ابتدائی آیات میں بھی ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ
هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ
دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝١٠ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝١٣ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝١٤
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝١٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝١٦ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝١٧ لَقَدْ
رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝١٨ [سورۃ النجم: ۱-۱۸]

(ترجمہ: اس چمکتے تارے (محمدؐ) کی قسم۔ جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو بس وحی ہوتی ہے جو انھیں کی جاتی ہے، انھیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے، پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوہ اور اس محبوب میں دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر وحی فرمائی، دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انھوں نے وہ جلوہ دوبارہ دیکھا

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، آنکھ نہ کسی طرف پھیری، نہ حد سے بڑھی، بے شک اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔)

اس مقدس سفر یعنی معراج کا ذکر حدیثوں میں اور سیرت رسول پاکؐ کی کتابوں میں تفصیل سے ملے گا۔ یہاں مختصر طور پر ان امور کا ذکر ہے جو حدیث صحیح بخاری میں ہیں۔

حضورؐ ایک رات خانۂ کعبہ کے پاس حطیم اور کبھی فرمایا آپؐ نے ہم حجرہ میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے آپؐ کو خواب سے بیدار کیا۔ اور ارادہ خداوندی سے آگاہ کیا۔ حضورؐ اٹھے۔ چاہ زمزم پر تشریف لائے۔ پھر جبرئیل امین نے آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا۔ اور قلب منور کو نکالا گیا۔ اور ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو اس میں انڈیل دیا گیا۔ اور پھر سینۂ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم شریف سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک تیز رفتار سفید رنگ کا جانور جو براق کے نام سے موسوم ہے پیش کیا گیا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضورؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ اور جس جگہ انبیائے اکرام کی سواریاں باندھی جاتی تھیں اس براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ پھر رسول پاک مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں تمام انبیائے سابقین آپؐ کے چشم براہ تھے۔ پھر آپؐ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ'' کا جو عہد روز اوّل سے انبیا سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براق پر سوار ہوئے اور جبرئیل امین کے ہمراہ بلندیوں پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیائے اکرام سے ملاقاتیں اور ہم کلامی ہوئی۔ پھر ساتویں آسمان پر اپنے جدِّ امجد اور ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے فرمایا ''مرحبا یانبی الصالح و الابن الصالح'' یعنی نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دل بند مرحبا۔ جیسے محبت بھرے کلمات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے جو اللہ تعالیٰ کی تجلّی گاہ تھی اور اس کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی ہے۔ رسول

پاک اور آگے بڑھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے روبرو ہوئے اور خلوت گاہ میں ناز و نیاز کے بے شمار پیغام عطا ہوئے۔ اسی مقام قرب اور گوشۂ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے کئی بہترین انعامات کے علاوہ امت رسول ؐ کو شب و روز میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض داشت پر رسول اللہ نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں نمازوں کی تخفیف کے لیے سفارش کی چنانچہ نمازوں کی تعداد پچاس سے پانچ کردی گئی۔ لیکن ثواب پچاس نمازوں کا ہی رہا۔ حضور ؐ معراج سے واپس تشریف لائے تو یہاں ابھی رات کا سماں تھا۔ اور ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

امام بوصیریؒ نے قصیدے کے اس حصے میں معراج نبی کا ذکر کیا ہے۔ اس رات سارے انبیاء و مرسلین نے آپ ؐ کو اپنا امام و پیشوا بنایا۔ جیسے خدام اپنے مخدوم کو پیشوا بناتے ہیں۔ آپ ؐ ساتوں آسمانوں کا سفر پیغمبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ملائکہ کے ہمراہ کر رہے تھے۔ ان اشعار میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبرئیل حضور پاک کے ساتھ چلتے رہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ آیا جو ایک بلند بالا درخت ہے اور جس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے ہیں اور جس کی جڑ سے چار نہریں رواں ہیں دو نہریں ظاہر ہیں نظر آتی ہیں اور دو پوشیدہ ہیں۔ جب رسول پاک ؐ نے جبرئیل امین سے ان نہروں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ دو باطنی نہریں جنت میں ہیں جن کے نام کوثر و سلسبیل ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اس مقام پر آ کر حضرت جبرئیل رک گئے۔ آپ ؐ نے فرمایا: جبرئیل آگے چلو، تو انھوں نے جواب دیا۔ ''لَوْ دَنَوْتُ انملةً لاحترقتُ'' یعنی میں اگر ایک انگل بھر آگے بڑھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی تجلی سے جل جاؤں گا۔ مطلب یہ کہ کوئی نبی یا فرشتہ سدرالمنتہیٰ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ صرف رسول اللہ ؐ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اس سے بھی آگے تشریف لے گئے۔ تاکہ آپ ؐ اس ملاقات میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں اور اس کا دیدار کریں۔ اس معراج میں آپ ؐ کو ایسا وصل الٰہی اور دیدار خداوندی نصیب ہوا تھا جو کسی بھی شخصیت کو حاصل نہیں ہوا تھا اور آپ ؐ کو ان راز سربستہ سے بھی آگاہی ہو جائے جس سے کوئی بشر یا فرشتہ اب تک آگاہ نہیں تھا۔ آپ ؐ نے اس سفر کی ہر منزل تن تنہا طے کی اور ہر قابل فخر کمال

کو اپنی ذات میں سمیٹ لیا۔ اس رات میں جو رتبے آپ گو عطا کیے گئے بڑے جلیل القدر ہیں۔ اور جن نعمتوں سے آپ گو سرفراز کیا گیا ان کا حصول بہت مشکل ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے یہ بڑی خوشخبری ہے۔ شب معراج میں رسول پاکؐ کے طفیل آپؐ کی امت مسلمہ پر رب کی عنایتوں کی بارش ہوئی اور اسے بھی ان امتیازات وخصوصیات کا کچھ حصہ ملا۔

علمائے کرام نے امت محمدیہ گو ملنے والے خصوصی اور امتیازی اوصاف کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ان کا خلاصہ شیخ عمر بن احمد خرپوتیؒ کی تصنیف "عصیدہ الشھدة شرح قصیدہ البردہ" کے حوالے سے نفیس احمد مصباحی نے اپنی تصنیف میں اس طرح پیش کیا ہے۔

(۱) ہمارے لیے مال غنیمت حلال ہیں۔ جب کہ گذشتہ امتوں کے لیے یہ حلال نہ تھے۔

(۲) ہمارے لیے پوری روئے زمین مسجد بنادی گئی (کہ ہم جہاں چاہیں سجدہ کریں)

(۳) ہمارے لیے مٹی کو پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا۔ (کہ پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں ہم مٹی سے تیمم کر کے طہارت اور پاکی حاصل کر سکتے ہیں)

(۴) ہمیں وضو عطا ہوا۔ جب کہ سابقہ امتوں میں یہ اعزاز صرف انبیائے کرام کو حاصل تھا۔ ان کی امتیں اس سے محروم تھیں۔

(۵) ہم پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ جب کہ کسی اور امت پر پانچ نمازیں فرض نہ تھیں۔

(۶) ہمیں اذان واقامت ملی جب کہ گزشتہ امتیں اس سے محروم تھیں۔

(۷) ہم کو بسم اللہ الرحمن الرحیم عطا ہوئی سابقہ امتوں کو یہ شرف حاصل نہ تھا۔

(۸) ہم کو سورہ فاتحہ کے بعد امام کے پیچھے آمین کہنے کا حکم ملا۔ جب کہ دیگر امتوں کے لیے یہ حکم نہیں تھا۔

(۹) ہماری عبادت میں رکوع رکھا گیا۔ جب کہ اور امتوں میں یہ نہ تھا۔

(۱۰) ہمیں نمازوں میں صفیں بنانے کا حکم ہے جیسے فرشتے صفیں بناتے ہیں۔

(۱۱) ہمیں روز جمعہ میں ایسی گھڑی (لمحہ) ملی جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۱۲) امت محمدیہ پر رمضان المبارک کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ نظر رحمت فرماتا ہے۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہو جائے وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

(۱۳) امت محمدیہ کے لیے رمضان المبارک کی پہلی رات میں جنت سجادی جاتی ہے اور ماہ رمضان کی ہر رات فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(۱۴) ہمیں رمضان شریف میں روزہ رکھنے کے لیے سحری کی نعمت ملی۔ جب کہ گذشتہ امتیں اس سے محروم تھیں۔

(۱۵) ہمیں افطار میں جلدی کرنے کا حکم ملا۔

(۱۶) ہمیں شب قدر ملی۔ (جس میں عبادت ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے)

(۱۷) ہمیں مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنے کا حکم ملا ہے۔

(۱۸) اس امت سے اللہ تعالیٰ نے بوجھ (جیسے توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا اور جن اعضاء سے جسمانی گناہ صادر ہوں ان کو کاٹ ڈالنا) اور گلے کے پھندے (جیسے بدن اور کپڑے کے جس مقام پر نجاست لگے اسے قینچی سے کاٹ ڈالنا۔ کافروں سے جنگ میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کو جلا دینا اور گناہوں کا مکانوں کے دروازے پر ظاہر کرنا وغیرہ) اٹھا دیے گئے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں سورہ اعراف میں آیت نمبر ۱۵۷ پر ملتا ہے۔

(۱۹) اس امت سے اللہ تعالیٰ خطا و نسیان پر مواخذہ نہیں فرماتا۔

(۲۰) ہماری شریعت کامل ترین شریعت ہے۔

(۲۱) یہ امت گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔

(۲۲) اس امت کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اسے کم عمل پر زیادہ ثواب ملتا ہے۔

(۲۳) امت محمدیہ میں خدانخواستہ اگر طاعون آجائے تو اس مرض میں موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔ جب کہ دیگر امتوں کے لیے یہ عذاب الٰہی تھا۔

(۲۴) اس امت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کے دو شخص کسی میت کے اچھے اور نیک ہونے کی شہادت دیں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(۲۵) اس امت مرحومہ میں قطب، غوث، اوتاد، ابدال اور نجیب ہیں جن سے دوسری امتیں خالی ہیں۔

(۲۶) قیامت کے دن آثارِ وضو سے اس کی پیشانی روشن اور ہاتھ پیر نورانی ہوں گے۔

(۲۷) روزِ محشر سب سے پہلے یہی امت قبروں سے باہر نکلے گی۔

(۲۸) رسول پاکؐ کے طفیل میدان حشر میں اسے ٹھہرنے کے لیے بلند مقام ملے گا۔

(۲۹) اس امت کو قیامت کے دن داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔

(۳۰) اس امت کے ستر ہزار افراد بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

(۳۱) جنت میں سب سے پہلے اسی امت کے افراد داخل ہوں گے۔ پھر دیگر امتیں جائیں گی۔

(۳۲) اس امت کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی۔ بلکہ قیامت تک باقی رہے گی جب کہ سابقہ امتوں کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں۔

امام بوصیریؒ ان اشعار میں مسلمانوں کو خوش خبری سناتے ہیں کہ زہے نصیب! ہم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عنایت سے ایک ایسا دین اور ایک ایسی شریعت ملی ہے جو ہر طرح سے مضبوط و مستحکم ہے۔ یہ ایک سدا بہار شریعت خداوندی ہے جو کبھی خزاں رسیدہ نہ ہوگی۔ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت کی طرف بلانے والے رسول کو ''اشرف الرسل'' کہہ کر پکارا تو ہم ''اشرف الامم'' ہوئے۔ کیوں کہ اشرف الرسل اشرف الامم ہی کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اس قصیدے کی آٹھویں فصل میں امام بوصیریؒ نے غزوات حنین، بدر اور اُحد کا ذکر کیا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کی بہادری اور فن سپہ گری میں مہارت کو پیش کیا ہے۔ غزوات و جہاد اور صحابۂ کرامؓ کے ایثار وفا کو نہایت خوبصورتی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ علوم اسلامی میں صحابۂ کرامؓ اور صحابیات کا مطالعہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسولؐ کے حکم پر لڑائی اور شہادت پر آمادہ رہے۔ تردّد کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا اور نہ کبھی کسی قسم کی قربانی سے دریغ کیا۔ مسلمانوں نے حضور پاکؐ کی حفاظت کے لیے ہتھیلی پہ سر

رکھ لیا تھا۔ ان جنگوں میں امّ عمارہ جیسی نیک بیبیاں دوپہر تک اپنے مشکیزہ میں پانی بھر کر زخمی مسلمان سپاہیوں کو پلاتی رہیں۔ اور جب دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغے میں آ گئے ہیں تو مشکیزہ پھینک کر تلوار اٹھالی اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ان جنگی کاروائیوں کے اندر خود اسلام کی دعوت کام کر رہی ہوتی تھی۔ یہ لڑائیاں محض تلوار اور تیروں کی لڑائیاں نہ تھیں۔ یہ عقیدوں، نظریوں اور کرداروں کی بھی لڑائیاں تھیں۔ ان لڑائیوں میں مسلم طاقت تکبیر کا نعرہ لے کر آئی تھی وہ میدان جنگ میں بھی رکوع و سجود کا ذوق اپنے ساتھ لائی تھی۔ ایک طرف وہ اپنے دشمن کے خلاف پورے جوش و خروش سے حملہ آور ہوتی تو دوسری طرف دشمنوں کے سامنے، لڑائی کے میدان میں وہ اپنے خدا کے حضور عاجزی سے سجدہ ریز ہوتی تھی۔ پھر اس مسلم قوم کا ایک نئی طرز کا ڈسپلن تھا۔ جو عربوں کے پرانے جنگی معرکوں میں نظر نہیں آتا۔ اس کے اپنے مخصوص قواعد و اطوار تھے۔ یہ قوم شہادت، جنت، رضائے الٰہی اور حیات ابدی کے تصور لے کر لڑائی میدان میں اترتی تھی۔ اس کا ایک درخشاں جنگی اخلاق تھا۔ دوسرے لوگ یا دشمن کی فوج موسیقی کی تانوں پر حرکت کرتی تھی اور اسلامی تحریک کے جاں باز فقط نغمہ توحید کی تانوں سے تحریک لیتے تھے۔ دوسرے لوگ لڑائی کے وقت حملے اور قتل کے دوران وحشیانہ کاروائیاں کرتے تھے، مثلاً مخالفین کو آگ میں جلانا۔ یا باندھ کر مارنا، مقتول لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی کھوپڑیوں میں شراب پینا، کلیجہ چبانا۔ عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ دینا۔ لیکن مسلم فوج کے سربراہ ﷺ نے ایسی اخلاقی تعلیمات دی تھی جو انسانیت کا احترام کرنے والی تھی۔ اس فوج نے اسی تعلیمات کی روشنی میں لڑائیاں لڑیں۔ فتوحات حاصل کیں اور کبھی کسی کو وحشیانہ طریقے سے قتل نہیں کیا۔ نہ لاشوں کی بے حرمتی کی۔ نہ عورتوں اور بچوں پر اپنی شجاعت و بہادری آزمائی۔ اس فوج نے نازک ترین موقعوں پر نقصان اٹھا کر بھی اپنا عہد نبھایا۔

امام بوصیریؒ نے رسول ﷺ کی بعثت کی خبر اور غزوات کا ذکر اس فصل میں کیا ہے۔ اسی کا ترجمہ عبدالفتاح نے اس انداز میں کیا:۔

آمد آمد مقدم حضرتؐ کی سننے سے عدو خوف سے بھاگیں ڈریں کھڑکے جیسے بکریاں

سب نبیؐ کے حکم سے راہ خدا میں گرم رو — بیخ و بن کفر وضلالت کی اکھاڑے ہر گراں

تو حنین و بدر سے کوہ اُحد سے پوچھ لے — بدتر از حتف و وبا تھا حال مرگ دشمناں

تھے مسلماں سرخ رو ممتاز قوم کز سے — جیسے گل ہے خار سے ممتاز باصد عزّ وشاں

ہے طفیلِ مصطفیؐ یاروں کو نصرت اس قدر — کوہ میں للکار ماریں شیر بھاگے لے کے جاں

اپنی امت کو پناہ دین میں اس نے رکھا — شیر بچے شیر کے پہلو میں ہیں بازی کناں

حجت قاطع ہے قرآن منکروں پر آپؐ کے — کیا کلام حق کے آگے گفتگوئے مُلحِداں

معجزہ ہے علم کافی کیوں کہ تھے اُمّیؐ لقب — وہ یتیمی، یہ ادب تہذیب اور حلم گراں

شاعران اشعار میں کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبروں نے دشمنوں کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کر دی۔ جیسے کہ ایک شیر کی چنگھاڑ بھولی بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ میں ہلچل مچادے۔ بعثت کی خبروں سے مراد وہ خبریں ہیں جو کاہنوں، نجومیوں، راہبوں اور پادریوں کے ذریعے اس وقت کے کافروں اور مشرکوں کو ملی تھیں اس میں خاص خبر یہ تھی کہ بہت جلد دین اسلام دنیا کے دوسرے دین اور مذہب پر غالب آجائے گا۔ اگلے شعر میں امام بوصیریؒ نے رسول پاکؐ کی شجاعت کو بیان کیا ہے۔ آپؐ ہر غزوہ میں کافروں اور مشرکوں سے برسر پیکار رہے اور مسلمانوں کو فتح وکامرانی نصیب ہوئی۔ دشمنان اسلام جنگ کی ہولناکیوں سے ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہو گئے تھے کہ انھیں دن اور رات میں فرق کرنا مشکل ہو گیا تھا چنانچہ پورے سال ان پر اس قسم کی دہشت طاری رہتی تھی لیکن جب حرمت والے مہینے آتے تو ان کو اطمینان ہو جاتا کہ اب جنگ نہیں ہوگی کیوں کہ رسولِ پاکؐ نے ماہ ذی قعد، ذی الحج، محرم اور رجب میں جنگ وجدال سے منع فرمادیا تھا۔ مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اسلام کے لشکر جرار کا ہر ایک سپاہی رضائے الٰہی اور حکم رسولؐ کے تابع تھا۔ اور وہ اپنے اس عمل پر صرف اللہ تعالیٰ سے ہی اجر وثواب کی امید رکھتا تھا۔ ان اشعار میں صحابہ کرام کی شجاعت، پامردی اور ثابت قدمی کا ذکر ہے۔ حنین ۱۳۴ سے پوچھ لو، بدر ۱۳۵ سے معلوم کرلو، اُحد ۱۳۶ سے دریافت کرلو کیوں کہ یہ سب غزوات کافروں کی موت کے موسم ہیں جو ان کے لیے وبا سے زیادہ سخت ہیں۔ جیسا کہ غزوات کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگیں کفار

کے لیے وبائے عام سے بڑھ کر ہلاکت خیز اور نقصان دہ ثابت ہوتی تھیں۔ صحابہ کرامؓ اس قدر بہادر اور حرب وضرب کے ماہر تھے کہ جب ان کی چمکتی ہوئی سفید تلواریں نوجوان دشمنوں کے سروں پر گرتیں تو وہ ان کے جسم میں اتر جاتیں اور ان کے خون سے سرخ ہو کر واپس آتیں۔ اور یہ صحابہ کرامؓ نیزہ بازی میں اس قدر ماہر تھے کہ ہر دشمن کے جسم پر کہیں نہ کہیں زخم کا نشان ضرور ہوتا تھا۔ فتح ونصرت کی ہوائیں ان کی کامیابی اور ظفر مندی کی خبریں بھیجتی تھیں۔ صحابہ کرام فنِ سواری میں اتنے ماہر تھے کہ جب وہ گھوڑوں کی پشت پر سوار ہوتے تو بلند ٹیلوں کے پودوں کی طرح نظر آتے۔ اور ان کی بہادری کا سکہ دشمنوں کے دلوں پر جم جاتا تھا۔ کیوں کہ انھیں رسول پاکؐ کی نصرت وحمایت حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تائید ونصرت آپؐ کی سنت کی پیروی کرنے میں ہے اور اسی کا دوسرا نام تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ جس کی بنیاد خوف الٰہی پر ہے۔ مطلب یہ کہ صحابہ کرام حضور پاکؐ کی نصرت وحمایت سے ہمیشہ شاد کام اور کامیاب ہوتے تھے کیوں کہ آپؐ کا کوئی بھی چاہنے والا کبھی بھی نامراد اور شکست خوردہ نہیں ہوسکتا اور آپؐ کا دشمن کبھی کامیاب وبامراد نہیں ہوسکتا۔

امام بوصیریؒ رسول پاکؐ کو طاقت وقوت، شجاعت و بہادری رعب و دبدبہ اور اپنی امت کی حفاظت کرنے میں شیر سے تشبیہ دی ہے۔ امت رسولؐ کو شیر کے بچوں اور آپؐ کے دین اور شریعت کو شیر کے بھٹ یا جھاڑی سے تشبیہ دی ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ حضور پاکؐ کو امت کے لیے آپ کا دین اور آپ کی شعریت ایسی محفوظ پناہ گاہ ہے جیسے شیر کے بچوں کے لیے شیروں کا بھٹ اور جھاڑی۔ جس طرح شیر کے بچوں کو شیروں کے بھٹ یا جھاڑی میں رہ کر کوئی ڈر نہیں رہتا اسی طرح رسول اللہ کی امت کو آپؐ کے دین پر قائم رہتے ہوئے آتش جہنم کا کوئی کھٹکا نہیں رہتا۔ اس فصل کے آخری دو اشعار میں امام بوصیریؒ کہتے ہیں کہ قرآنی آیات نے نہ معلوم کتنے حجتی اور بحث کرنے والوں کو چت کر دیا ہے اور آپؐ کے معجزات نے مخالفوں کو زیر کر دیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اُمّی ہوتے ہوئے آپ کا عالم ہونا اور یتیمی کے باوجود آپ کا تربیت یافتہ ہونا آپ کے اعجاز کے لیے کافی ہے۔ یعنی یتیمی کی حالت میں پروان چڑھنے کے باوجود آپؐ ایسے شائستہ اور بلند اخلاق ہوئے کہ آپؐ کی ذات اخلاق وآداب اور تعلیم و

تربیت کا سب سے عظیم سرچشمہ بن گئی۔ یہ محیر العقول اوصاف آپ ؐ کی نبوت اور رسالت کی دلیل اور آپ کا بلند ترین معجزہ ثابت ہوئے۔

امام بوصیریؒ نے فصل نہم میں رحمت العالمین سے رحم کی سفارش اور درخواست کی ہے اور قصیدہ لکھنے کی وجہ کا ذکر کیا ہے۔ انسان اس دنیا میں جس حالت میں بھی زندگی گزارتا ہے وہ اپنے خالق و مالک کے لطف و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہر وقت اللہ کے فضل و عنایات کا محتاج رہتا ہے۔ اس لیے انسان اپنے رب کے سامنے ہمیشہ دست دعا دراز کرتا ہے۔ دعا وہ سہارا ہے جس کو اختیار کرنے کے بعد بندہ خود کو تنہا اور وحشت زدہ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اسے ایک عجیب طاقت کا احساس ہوتا ہے دعا اس کی مایوسی اور احساس محرومی کو ختم کر کے حوصلہ مندی کی زندگی عطا کرتی ہے۔ بوصیریؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے بچپن میں گمراہی اور غفلت کی مخالفت نہیں کی اور بادشاہوں کی مدح سرائی اور دشمنوں کی مذمت میں عمر ضائع ہوتی رہی۔ جس کے نتیجے میں شرمندگی اور معصیت دامن گیر ہو گئی۔ وہ اپنے نفس کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ اب ترک دنیا کر اور دین حاصل کر تا کہ نفع دارین حاصل ہو۔ اب تک کی تجارت میں نقصان ہی رہا۔ مولوی عبد الفتاح بھی ان اشعار کا ترجمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

عمر غفلت سے گئی خدمت میں دنیا کے میری	قید ہے گردن میں میرے ہائے فکر این و آن
نقد کو نسیہ میں کھویا کچھ نہیں حاصل کیا	حال ہے بیع تسلم کا غبن فاحش کی دکان
گرچہ عاصی ہوں ولے ہے عہد احمدؐ سے درست	عقدہ امید رحمت کی ہے ثابت ریسمان
عبدیت کا تاج سر پر ہے محمدؐ نام پاک	نقش ہے دل کے نگینے پر محبت کا نشان
جب سے ان کی مدح میں کہتا ہوں اشعار خاص	تب سے ہے راحت بدن کو شادی روح و روان
جب زہیری نے لکھا مدح ہزم با آب و تاب	دولت و ملک و جواہر اس نے پایا بے کران
یا نبی مجھ کو نہیں ہے اب وسیلہ تم سوا	حادثے ہیں عام عالم کے، مجھے بخشو امان
کچھ کم نہ ہو مرتبہ میں آپ کے ایک لطف سے	ہو شفاعت پیش حق مجھ کو ملے دار الجنان

شاعر قصیدہ میں اپنے انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ملازمت اور شاعری نے گردن میں گناہوں کا طوق ڈال دیا ہے ان دونوں کے باعث وہ اس جانور کی طرح

ہو گئے ہیں جس کو قربانی کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بوصیریؒ ایک عرصہ تک شاہی ملازم رہے۔ بادشاہی ملازمت اگرچہ جائز اور درست ہے لیکن اس حالت میں کبھی مجبور ہو کر انسان کو غلط کام بھی کرنے پڑتے ہیں ان اشعاروں میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امرا و سلاطین کی مدح سرائی اور ملازمت کر کے بڑے گھاٹے کا سودا کیا اگر توفیق الٰہی ساتھ ہوتی تو اس دنیاداری کو چھوڑ کر دین کے کاموں میں لگ جاتے۔ کارِ خیر کی توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا عطا فرماتا ہے۔ شاعر یہ بھی سوچتے ہیں کہ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ان کا عہد ٹوٹے گا اور نہ ہی رشتہ منقطع ہوگا۔ کیوں کہ اہل سنت جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا بندہ جب بھی اپنے گناہوں سے توبہ کر لے گا اللہ تعالیٰ جو غفور الرحیم بھی ہے اس کے گناہ بخش دے گا۔

اس کے علاوہ شاعر کا ایک نام ''محمد'' بھی ہے۔ اور اس نام کی وجہ سے انھیں ایک عہد و پیمان مل چکا ہے اور حضورؐ اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ اس شعر کا پس منظر یہ ہے کہ امام بوصیریؒ کا نام محمد ہے اور مختلف احادیث میں اس نام محمد کے رکھنے کی فضیلتیں آئی ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دو بندے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں جانے کا حکم دے گا۔ اور وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے۔ ہم کس بنا پر جنت کے حقدار قرار پائے؟ ہمارے اعمال تو ایسے نہ تھے کہ جن کے بدلے ہمیں جنت ملتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندو! جنت میں داخل ہو جاؤ۔

''فَاِنِّی اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّد: (المواهب الدنیه)

(کیوں کہ میں نے اپنے ذمۂ کرم پر لازم کر لیا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ ۱۳۷)

اس شعر میں ''عہد و پیمان'' سے مراد محمد یا احمد نام کی برکت سے نجات اور جنت کے حصول کی بشارت دینے والی حدیثیں ہیں۔ اس شعر میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم گنہ گاروں

کی شفاعت کرنا آپ کا فضل وکرم ونوازش ہے، چونکہ بندہ بے شمار گناہ کر بیٹھتا ہے لیکن قیامت کے دن رسول پاکؐ شفاعت اور دست گیری فرمائیں گے تو بندہ گناہ گار کو پل صراط پر اعلیٰ درجے کی ثابت قدمی حاصل ہوگی جس کے نتیجے میں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ اپنی ذات سے فیض وکرم کی امید رکھنے والوں کو محروم فرمادیں اور آپؐ کے جوار رحمت میں پناہ ڈھونڈنے والے کی درخواست نامنظور کردی جائے۔ کیوں کہ آپؐ اپنی امت کے لیے سراپا رحمت بن کر تشریف لائے۔ رسول پاکؐ سے استغاثہ اور آپؐ کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں اپنے مقاصد کا پورا ہونے کے لیے دعا کرنا انبیاء ومرسلین اور سلفِ صالحین کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے اور آج تک ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن بھی اہل ایمان سرکار دو عالمؐ کی بارگاہ میں استغاثہ اور مدد کی درخواست پیش کریں گے۔ اور آپ ان کی فریاد سن کر بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ ان تمام شہادتوں کا ذکر کرتے ہوئے بوصیریؒ کہتے ہیں کہ جب سے انھوں نے بادشاہ اور امرا کی مدح سرائی چھوڑ کر رسول اللہ کی نعت پاک لکھنے اور ان کی مدح وثنا کو اپنا مشغلہ بنایا ہے۔ تو اس کی برکت سے دنیا کی مصیبتیں دور ہو گئیں اور غموں سے چھٹکارا ملا۔ اس شعر میں امام بوصیریؒ نے اس واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے جو اس نعتیہ قصیدے کے لکھنے کا باعث بنا تھا۔ ان کے جسم پر فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ حکیم اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ اس وقت مایوسی کے عالم میں انھوں نے ایک قصیدہ لکھا اور اس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفا کی درخواست کی رات کو سو گئے اور قسمت بیدار ہو گئی انھوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اپنا لکھا ہوا قصیدہ سنایا جس پر رسول پاکؐ اتنے خوش ہوئے کہ اپنی چادر ان کو اڑھا دی اور ان کے جسم پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ جس کی برکت سے بوصیری بالکل صحت مند ہو گئے۔ کیوں کہ یہ فضل وکرم کی وہ بارش ہے جو سخت پہاڑوں اور ناہموار ٹیلوں پر بھی پھول اگا دیتی ہے۔

اگلے شعر میں وہ زُہیر بن ابی سلمیٰ کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ وہ بوصیری دنیاوی مال و متاع حاصل کرنے کی نیت سے یہ نعتیہ قصیدہ نہیں لکھ رہے ہیں جس طرح زُہیر دنیا کے مال و دولت کے حاصل کرنے کے لیے بادشاہ ہزم کی مدح میں قصیدے لکھا کرتا تھا۔ ۱۳۸ زُہیر بن

ابی سلمیٰ جاہلی دور کا ممتاز شاعر تھا اس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے خاندان میں کئی شاعر تھے۔ اس کے باپ اور ماموں شاعر تھے۔ دو بہنیں سلمیٰ اور خنساء بھی شاعرہ تھیں اور دونوں بیٹے کعب اور بُجیر بھی شاعر تھے یہ دورِ جاہلیت کا سب سے بہتر اور بڑا شاعر مانا جاتا ہے اس کے بیٹے کعب بن زہیر نے مشہور و معروف قصیدہ بانت سعاد لکھا تھا۔ جسے سن کر رسول پاکؐ نے اپنی زندگی میں کعب کو اپنی چادر اوڑھائی تھی۔ امام بوصیریؒ نے اپنے اس شعر میں زہیر بن ابی سلمیٰ کی قصیدہ خوانی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا نعتیہ قصیدہ لکھنے کا مقصد دنیا کے مال و دولت حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ ان کا اصل مقصد تو رسول پاکؐ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

اس قصیدے کی دسویں فصل میں مناجات و عرض حاجات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے عفو و کرم کی امید کا بیان ہے۔ عملی اور فکری مشکلوں اور الجھنوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ بھی یہی ہے کہ بندہ اپنی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد اور رہنمائی کے لیے دعا بھی کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قابل احترام نہیں ہے۔ دعا کرتے وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا۔ ان کی مغفرت طلب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ اعمال ہیں۔ قصیدے کے اس آخری حصے میں امام بوصیریؒ نے انہی باتوں کو مدِ نظر رکھا ہے اور سورۂ نسا کی یہ آیت نمبر ۶۴ بھی ان کی پیش نظر ہے:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝" (سورہ نساء: آیت نمبر ۶۴)

(یعنی: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسولؐ ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔)

امام بوصیریؒ نے ان آخری اشعار میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے دعا مانگی ہے۔ مولوی عبدالفتاح نے ان اشعار کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

عاصی بدکار ہے اب عفو کا امید وار ہے خدا رحمت کا صاحب، ہے نبی رحمت کی شان

اے خدا محروم مت کر اپنی رحمت سے مجھے عفو کر میرا حساب از بسکہ میں ہوں ناتوان

لطف کر اس بندہ عاصی پر توں دارین میں صبر اس کا ہول اور وحشت سے ہوتا ہے رمان

تا چلے بادصبا اور ہو درختوں کو بہار راہواری ہو شتر کی اور حُدی خوان ساربان

حکم کر تسلیم وصلوات ہوئے روز وشب نزول مصطفی پر قطرۂ باران کے جیسے بے کران

آل واصحابوں پہ ہووے تابعوں پر بھی مدام اہل تقوی اور کرم پر اور بر اُمتان

ان اشعار میں شاعر اپنے نفس کو دلاسا دیتے ہیں کہ رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو جا۔ کیوں کہ کبیرہ گناہوں کی سزا بڑی سخت ہے جن سے ہر مومن پناہ مانگتا ہے اور ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن شاعر اپنے نفس سے کہتے ہیں کہ جس طرح وہ غفور الرحیم گناہ صغیرہ بخش دے گا اسی طرح گناہ کبیرہ کی بخشش بھی فرما دے گا تو اے سیہ کار نفس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ شاعر کا خیال یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آئے گا وہ گناہ گاروں کے درمیان اپنی رحمت تقسیم کرنے پر آئے گا تو وہ رحمت ان کے گناہوں کے اندازے کے مطابق ان کے حصوں میں آئے گی۔ یعنی جس کا گناہ بڑا ہوگا اور جس کا گناہ چھوٹا ہوگا اس کا حصہ رحمت بھی بڑا اور چھوٹا ہوگا۔ امام بوصیریؒ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیری ذات سے جو امیدیں میں نے باندھ رکھی ہیں اس کے خلاف میرے ساتھ معاملہ نہ ہو کیوں میں بڑا بے صبرا متی ہوں۔ صبر وتحمل میں اتنا کمزور ہوں کہ مصائب وآلام کے وقت مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہوں اور پریشانیوں کے مقابلے کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو اگر تیری رحمتیں، عنایتیں اس وقت مجھے سہارا نہ دیں گی تو میری ہلاکت یقینی ہے۔ یہ اشعار دعائیہ ہیں۔ اور دعا کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جتنا زیادہ عاجزی کا اظہار کرتا ہے اتنا ہی اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اس کی جانب متوجہ ہوتی ہیں اور دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ تو اپنی رحمت کے بادلوں کو حکم

دے کہ وہ سدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر موسلا دھار اور لگاتار رحمت برساتے رہیں جب تک باد صبا سے درخت بان ۱۳۹ کی شاخیں جھومتی رہیں اور خدی ۱۴۰ خواں اپنے پر کیف نغموں سے اونٹوں کو مست اور تیز گام کرتے رہیں۔ ۱۴۱ یعنی اے اللہ! قیامت تک اپنے محبوب رسولؐ پر اپنی رحمت کی موسلا دھار بارش برساتا رہ۔ امام بوصیریؒ دعا کے بعد صلوٰۃ وسلام پر اپنے نعتیہ قصیدہ کو ختم کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ نیک کاموں کا اختتام صلوٰۃ وسلام پر ہونا چاہیے۔ کیوں کہ یہی ہمارے اسلاف اکرام اور بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔ اس قصیدے کو انھوں نے ''النغم'' پر ختم کیا ہے جس کے معنی ہیں۔ نغمہ، گیت اور سریلی آواز۔ جس سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اسے خوش الحانی اور سریلی آواز سے پڑھنا چاہیے۔ تا کہ سامعین کے دل پوری طرح اس کی جانب مائل ہوں اور وہ دل لگا کر اس نعت پاک کو سنیں اور اس کے فیض و برکت سے اپنے دامن بھریں۔

قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ مولوی عبدالفتاح نے کل ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) اشعار میں کیا ہے۔ اس کے بعد کے تین اشعار اضافی ہیں جن میں مولوی صاحب نے ترجمہ قصیدہ بردہ کی تاریخ تحریر بھی لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہیں:ـ

جب قصیدہ بردہ کا توفیق سے اللہ کے ترجمہ اشرف نے لکھا خوب در ہندی زبان
داخل غفران مترجم بھی طفیلی بن گیا کاہ پر گلشن کے فیض ابر ہے رحمت رسان
باعث رحمت ہے اشرف آج تک ذکر نبی سال بارہ سو پہ اسّی ہجریہ ہیں این زمان
(۱۲۸۰ھ)

مولوی صاحب نے اس زمانے کے بموجب اردو زبان کو یہاں ''ہندی زبان'' لکھا ہے۔ اور وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس خدائے برتر کی توفیق سے انھوں نے قصیدہ بردہ کا ترجمہ کیا ہے کسی کی فرمائش پر نہیں۔ (ان کا دیوان اشرف الاشعار نعتیہ قصائد کا ہی مجموعہ ہے۔ زیادہ تر قصیدے فارسی زبان میں ہیں۔ چند دعائیہ قصیدے اردو زبان میں بھی ملتے ہیں۔) اس قصیدہ بردہ شریف کے ترجمہ کرنے کے بعد وہ بھی مغفوروں کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں۔ وہ تو گلشن کی کٹی ہوئی گھاس (کاہ) کی طرح تھے۔ جو ابر رحمت کے برسنے سے دوبارہ

ہری بھری ہوگئی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آج تک نبی پاک کا ذکر کرنا باعث رحمت ہی ہے۔
اس ترجمہ کا سنۂ تصنیف ۱۲۸۰ھ ہے۔ قصیدہ بردہ کے بے شمار منظوم اور نثری ترجمہ ہو چکے ہیں اور کئی زبانوں میں عاشقانِ رسول پاکؐ نے اس قصیدہ بردہ کے ترجمے سے اپنے شعر و سخن کے چمن کو سجایا ہے۔ میرا یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ مولوی عبدالفتاح نے اس ترجمے سے کوئی کارِ نمایاں انجام دیا ہے۔ انھوں نے اس ترجمہ میں اردو زبان کی لطافت و مزاج کا خیال نہیں رکھا ہے اس کے باوجود اظہار بیان میں معمولی سا فرق بھی نہیں ہے۔ امام بوصیریؒ کے اس بحرِ بے کراں میں غواصی کوئی آسان نہ تھی کام بڑا ہی دشوار تھا۔ اس بحر کی دیو پیکر موجوں سے لڑنا اور اس کی تہہ کے موتیوں کو آبنائے خیال میں ڈھالنا گویا کوہ کنی اور جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مولوی عبدالفتاح نے اردو زبان کے گلدستے میں اس قصیدے کے پھول کچھ اس طرح سجائے ہیں کہ ان کی تازگی اور شگفتگی میں فرق نہیں آیا۔ نہایت محتاط انداز میں انھوں نے رسول پاکؐ کے محاسن و کمالات کے بیان والے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ مدح کے بعد مناجات ہے جس میں خدا سے شفاعت و مغفرت کی دعا مانگی ہے۔

اے خدا محروم مت کر اپنی رحمت سے مجھے ۔۔۔ عفو کر میرا حساب از بسکہ میں ہوں ناتوان
لطف کر اس بندہ عاصی پر تو دارین میں ۔۔۔ صبر اس کا ہول اور دہشت سے ہوتا ہے رمان

یہ اشعار ان کی شاعرانہ مہارت اور فن کاری کا ایک اچھا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اسی دیوان کے ایک فارسی نعتیہ قصیدے میں وہ رسول پاکؐ کی مدح میں کہتے ہیں۔

توئی پیش خدا ہستی بخلقت از ہمہ اول ۔۔۔ توئی بالا تری از جملہ مرسل بقدر و شان
بہ پشت جبرئیل آمد ملایک جملہ در خدمت ۔۔۔ امام انبیا ہستی بود توصیف تو قرآن
توئی محبوب رب العالمین کاندر شب معراج ۔۔۔ نہادی پائی خود بر تخت عرش گنبد گردان
کجا بار ملایک شد کجا ارواح مرسل بود ۔۔۔ وجوب لامکان بیرون زخلوتخانہ امکان
تولائی تو ہر کس رانباشد غیر اہل دل ۔۔۔ کہ عشق تست عالم رابہائی جنت و رضوان
تو ہستی تخم ہستی باغ امکان از تو شد سرسبز ۔۔۔ نباشد مثل تو رنگین کلی خوشبو دریں بستان
توئی یکتا در قدرت دو عالم چوں صدف باشد ۔۔۔ تو بحر راز حق ہستی جہاں موجی از آن عمان

توئی استاد عقل کل علوم شی از ان نقطہ بود روح الامین در مکتب ادنیٰ زشا گردان

بمدحت اشرف مسکین شدہ مشہور در عالم مراد دو جہاں اورا بخشی از سرِ احسان

ان اشعار میں صداقت و جذبے کی جو آنچ ہے وہ مولوی صاحب کے خلوص اور ان کے عاشق رسولؐ ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد میں رسول کریمؐ سے عشق آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری، ایمان و عقیدے کی بنیاد ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وسیلۂ پیغمبر رسول اکرمؐ کی بغیر نہ کسی کے لیے صحیح طور سے معرفت خدا ہی ممکن ہے نہ کوئی صراط مستقیم ہی کو پا سکتا ہے۔ کیوں کہ ایمان، اسلام اور صراطِ مستقیم رسول پاکؐ کی اطاعت اور اتباع کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی طور پر حلِ مشکلات ساری مخلوق کا عالم، خالق و رزّاق، محی و ممیت، علیم و بصیر قادر مطلق اور وحدہ لاشریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ عیہ وسلم کا اتباع اللہ کا حکم ہے۔ امام بوصیریؒ نے بھی اس حکم پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر و عافیت اور حفظ و امان کی دعا کی ہے۔

☆☆☆

عربی...... قصیدہ بردہ شریف

از

امام محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡفَصۡلُ الۡاَوَّلُ

فِیۡ ذِکۡرِ عِشۡقِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ

اَمِنۡ تَذَکُّرِ جِیۡرَانٍ بِذِیۡ سَلَمٖ ... مَزَجۡتَ دَمۡعاً جَریٰ مِنۡ مُقۡلَةٍ بِدَمٖ

اَمۡ هَبَّتِ الرِّیۡحُ مِنۡ تِلۡقَآءِ کَاظِمَةٍ ... وَ اَوۡمَضَ الۡبَرۡقُ فِی الظَّلۡمَآءِ مِنۡ اِضَمٖ

فَمَا لِعَیۡنَیۡکَ اِنۡ قُلۡتَ اکۡفُفَا هَمَتَا ... وَمَا لِقَلۡبِکَ اِنۡ قُلۡتَ اسۡتَفِقۡ یَهِمٖ

اَیَحۡسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الۡحُبَّ مُنۡکَتِمٌ ... مَا بَیۡنَ مُنۡسَجِمٍ مِنۡهُ وَمُضۡطَرِمٖ

لَوۡلَا الۡهَوٰی لَمۡ تُرِقۡ دَمۡعاً عَلٰی طَلَلٍ ... وَلَا اَرِقۡتَ لِذِکۡرِ الۡبَانِ وَالۡعَلَمٖ

فَکَیۡفَ تُنۡکِرُ حُبّاً بَعۡدَ مَا شَهِدَتۡ ... بِهٖ عَلَیۡکَ عُدُوۡلُ الدَّمۡعِ وَالسَّقَمٖ

وَ اَثبتَ الْوَجْدُ خطَّیْ عَبْرَۃٍ وَّضنیً ‏ مِثْلَ الْبَہارِ عَلٰی خدَّیْکَ وَالْعَنَمِ

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ ‏ وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

یَا لَائِمِیْ فِی الْھَوٰی الْعُذْرِیِّ مَعْذِرَۃً ‏ مِنِّیْ اِلَیْکَ وَلَوْ اَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

عَدَتْکَ حَالِیَ لَا سِرِّیْ بِمُسْتَتِرٍ ‏ عَنِ الْوُشَاۃِ وَلَا دَائِیْ بِمُنْحَسِمِ

مَحَضْتَنِی النُّصْحَ لٰکِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُہٗ ‏ اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمِ

اِنِّی اتَّھَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلٍ ‏ وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّھَمِ

الفصل الثّانی

فِیْ مَنْعِ ھَوَی النَّفْسِ

فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ بِالسُّوْءِ مَا اتَّعَظَتْ ‏ مِنْ جَھْلِھَا بِنَذِیْرِ الشَّیْبِ وَالْھَرَمِ

وَلَا اَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِیْلِ قِرٰی ‏ ضَیْفٍ اَلَمَّ بِرَاْسِیْ غَیْرَ مُحْتَشِمِ

لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنِّیْ مَا اُوَقِّرُہٗ ‏ کَتَمْتُ سِرًّا بَدَالِیْ مِنْہُ بِالْکَتَمِ

مَنْ لِّیْ بِرَدِّ جِمَاحٍ مِّنْ غَوَایَتِھَا ‏ کَمَا یُرَدُّ جِمَاحُ الْخَیْلِ بِاللُّجُمِ

فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِیْ کَسْرَ شَھْوَتِھَا ‏ اِنَّ الطَّعَامَ یُقَوِّیْ شَھْوَۃَ النَّھِمِ

وَالنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُھْمِلْہُ شَبَّ عَلٰی ‏ حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْہُ یَنْفَطِمِ

فَاصْرِفْ ھَوَاھَا وَحَاذِرْاَنْ تُوَلِّیَہٗ ‏ اِنَّ الْھَوٰی مَاتَوَلّٰی یُصْمِ اَوْ یَصِمِ

وَرَاعِھَا وَہِیَ فِی الْاَعْمَالِ سَائِمَۃٌ ‏ وَ اِنْ ہِیَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعٰی فَلَا تُسِمِ

RekhtaDownload.com

كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِلْمَرْءِ قَاتِلَةً ... مِنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِ اَنَّ السَّمَّ فِى الدَّسَمِ

وَاخْشَ الدَّسَآئِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّمِنْ شِبَعٍ ... فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ

وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ ... مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا ... وَاِنْ هُمَا مُحْضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

وَلَاتُطِعْ مِنْهُمَا خَصْماً وَّلَا حَكَماً ... فَاَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ ... لَقَدْ نَسَبْتُ بِهٖ نَسْلاً لِّذِىْ عُقُمِ

اَمَرْتُكَ الْخَيْرَ لٰكِنْ مَّا ائْتَمَرْتُ بِهٖ ... وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِىْ لَكَ اسْتَقِمِ

وَلَا تَزَوَّدْتُ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً ... وَلَمْ اُصَلِّ سِوٰى فَرْضٍ وَّلَمْ اَصُمِ

اَلْفَصْلُ الثَّالِث

فِىْ مَدْحِ النَّبِيِّ ﷺ

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْيَى الظَّلَامَ اِلٰى ... اَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَّرَمِ

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَآءَهٗ وَطَوٰى ... تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحاً مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ ... عَنْ نَّفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَيَّمَا شَمَمِ

وَاَكَّدَتْ زُهْدَهٗ فِيْهَا ضَرُوْرَتُهٗ ... اِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْ عَلَى الْعِصَمِ

وَكَيْفَ تَدْعُوْ اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ ... لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ ... وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمِ

RekhtaDownload.com

نَبِيُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلاَ اَحَدٌ — اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ — لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ — مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ — وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّ لَا كَرَمِ

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ — غَرْفاً مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفاً مِّنَ الدِّیَمِ

وَ وَاقِفُوْنَ لَدَیْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ — مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ — ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْباً بَارِئُ النَّسَمِ

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ — فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمِ — وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ — وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ — حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

لَوْنَاسَبَتْ قَدْرَهٗ اٰیَاتُهٗ عِظَماً — اَحْیَی اسْمُهٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

لَمْ یَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْیَی الْعُقُوْلُ بِهٖ — حِرْصاً عَلَیْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نَهِمِ

اَعْیَی الْوَرٰی فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَیْسَ یُرٰی — لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْفَحِمِ

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَیْنَیْنِ مِنْ بُعُدٍ — صَغِیْرَةً وَّ تُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اَمَمِ

RekhtaDownload.com

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهُ قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهُ بَشَرٌ وَ اَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهِ بِهِمِ

فَاِنَّهُ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

حَتّٰى اِذَا طَلَعَتْ فِي الْكَوْنِ عَمَّ هُدَا هَا الْعٰلَمِيْنَ وَاَحْيَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

اَكْرِمْ بِخَلْقِ نَبِيٍّ زَانَهُ خُلُقٌ بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمِ

كَا الزَّهْرِ فِي تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِي شَرَفٍ وَ الْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِي هِمَمِ

كَاَنَّهُ وَهُوَ فَرْدٌ مِّنْ جَلَالَتِهٖ فِي عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِي حَشَمِ

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِي صَدَفٍ مِنْ مَّعْدِنَيْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَ مُبْتَسِمِ

لَا طِيْبَ يَعْدِلُ تُرْباً ضَمَّ اَعْظُمَهُ طُوْبٰى لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَمُلْتَثِمِ

اَلْفَصْلُ الرَّابِعُ

فِيْ مَوْلِدِ النَّبِيِّ ﷺ

اَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنْ طِيْبِ عُنْصُرِهٖ يَا طِيْبَ مُبْتَدَإٍ مِّنْهُ وَمُخْتَتَمِ

يَوْمٌ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

وَبَاتَ اِيْوَانُ كِسْرٰى وَہُوَ مُنْصَدِعٌ كَشَمْلِ اَصْحَابِ كِسْرٰى غَيْرَ مُلْتَئِمِ

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمِ

وَسَآءَ سَاوَةُ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا وَرُدَّ وَارِدُہَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِیْ

كَاَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَآءِ مِنْ بَلَلٍ حُزْناً وَّ بِالْمَآءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

وَالْجِنُّ تَہْتِفُ وَ الْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ وَالْحَقُّ يَظْہَرُ مِنْ مَّعْنًى وَّ مِنْ كَلِمِ

عَمُوْا وَصَمُّوْا فَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ تُسْمَعْ وَبَارِقَةُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

مِنْ بَعْدِ مَا اَخْبَرَ الْاَقْوَامَ كَاہِنُہُمْ بِاَنَّ دِيْنَہُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ يَقُمِ

وَبَعْدَ مَا عَايَنُوْا فِي الْاُفْقِ مِنْ شُہُبٍ مُنْقَضَّةٍ وَفْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمِ

حَتّٰى غَدَا عَنْ طَرِيْقِ الْوَحْيِ مُنْہَزِمٌ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ يَقْفُوْا اِثْرَ مُنْہَزِمِ

كَاَنَّہُمْ هَرَباً اَبْطَالُ اَبْرَہَةٍ اَوْ عَسْكَرٌ بِالْحَصٰى مِنْ رَّاحَتَيْهِ رُمِیْ

نَبْذاً بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيْحٍ بِبَطْنِهِمَا نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

اَلْفَصْلُ الْخَامِسُ
فِیْ مُعْجِزَتِهٖ ﷺ

جَآءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً تَمْشِیْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

كَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْراً لِّمَا كَتَبَتْ فُرُوْعُہَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

مِثلَ الغَمَامَةِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَۃً   تَقِیۡہِ حَرَّ وَ طِیۡسٍ لِّلۡھَجِیۡرِ حَمِیۡ

اَقۡسَمۡتُ بِالۡقَمَرِ الۡمُنۡشَقِّ اِنَّ لَهٗ   مِنۡ قَلۡبِہٖ نِسۡبَۃً مَبۡرُوۡرَۃَ الۡقَسَمِ

وَمَا حَوَی الۡغَارُ مِنۡ خَیۡرٍ وَّ مِنۡ کَرَمٍ   وَکُلُّ طَرۡفٍ مِّنَ الۡکُفَّارِ عَنۡهُ عَمِیۡ

فَالصِّدۡقُ فِی الۡغَارِ وَالصِّدِّیۡقُ لَمۡ یَرِمَا   وَھُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ مَا بِالۡغَارِ مِنۡ اَرِمِ

ظَنُّوۡا الۡحَمَامَ وَ ظَنُّوۡا الۡعَنۡکَبُوۡتَ عَلٰی   خَیۡرِ الۡبَرِیَّۃِ لَمۡ تَنۡسُجۡ وَلَمۡ تَحُمِ

وِقَایَۃُ اللّٰہِ اَغۡنَتۡ عَنۡ مُضَاعَفَۃٍ   مِنَ الدُّرُوۡعِ وَعَنۡ عَالٍ مِّنَ الۡاُطُمِ

مَاسَامَنِی الدَّہۡرُ ضَیۡماً وَّ اسۡتَجَرۡتُ بِہٖ   اِلَّا وَنِلۡتُ جِوَاراً مِّنۡهُ لَمۡ یُضَمِ

وَلَا الۡتَمَسۡتُ غِنَی الدَّارَیۡنِ مِنۡ یَّدِہٖ   اِلَّا اسۡتَلَمۡتُ النَّدٰی مِنۡ خَیۡرِ مُسۡتَلَمِ

لَا تُنۡکِرِ الۡوَحۡیَ مِنۡ رُّؤۡیَاہُ اِنَّ لَهٗ   قَلۡباً اِذَا نَامَتِ الۡعَیۡنَانِ لَمۡ یَنَمِ

فَذَاکَ حِیۡنَ بُلُوۡغٍ مِّنۡ نُّبُوَّتِہٖ   فَلَیۡسَ یُنۡکَرُ فِیۡہِ حَالُ مُحۡتَلِمِ

تَبَارَکَ اللّٰہُ مَا وَحۡیٌ بِمُکۡتَسَبٍ   وَلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَیۡبٍ بِمُتَّہَمِ

کَمۡ اَبۡرَأَتۡ وَصِباً بِاللَّمۡسِ رَاحَتُهٗ   وَاَطۡلَقَتۡ اَرِباً مِّنۡ رِّبۡقَۃِ اللَّمَمِ

وَاَحۡیَتِ السَّنَۃَ الشَّہۡبَآءَ دَعۡوَتُهٗ   حَتّٰی حَکَتۡ غُرَّۃً فِی الۡاَعۡصُرِ الدُّہُمِ

بِعَارِضٍ جَادَ اَوۡ خِلۡتَ الۡبِطَاحَ بِہَا   سَیۡباً مِّنَ الۡیَمِّ اَوۡ سَیۡلاً مِّنَ الۡعَرِمِ

اَلْفَصْلُ السَّادِسُ

فِىْ ذِكْرِ شَرَفِ الْقُرْاٰنِ وَ مَدْحَهٗ

دَعْنِىْ وَ وَصْفِىْ اٰيَاتٍ لَهٗ ظَهَرَتْ ظُهُوْرَ نَارِ الْقِرٰى لَيْلاً عَلٰى عَلَمٖ

فَالدُّرُّ يَزْدَادُ حُسْناً وَّ ہُوَ مُنْتَظِمٌ وَلَيْسَ يَنْقُصُ قَدراً غَيْرَ مُنْتَظِمٖ

فَمَا تَطَاوُلُ اٰمَالِ الْمَدِيْحِ اِلٰى مَافِيْهِ مِنْ كَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّيَمٖ

اٰيَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ قَدِيْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمٖ

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَّهِىَ تُخْبِرُنَا عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَّ عَنْ اِرَمٖ

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَآءَتْ وَلَمْ تَدُمٖ

مُحَكَّمَاتٌ فَمَا تُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ لِذِىْ شِقَاقٍ وَّ لَا تَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمٖ

مَاحُوْرِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ اَعْدَى الْاَعَادِىْ اِلَيْهَا مُلْقِىَ السَّلَمٖ

رَدَّتْ بَلَاغَتُہَا دَعْوٰى مُعَارِضِہَا رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِىْ عَنِ الْحُرَمٖ

لَہَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِىْ مَدَدٍ وَفَوْقَ جَوْہَرِهٖ فِى الْحُسْنِ وَالْقِيَمٖ

فَمَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى عَجَائِبُہَا وَلَا تُسَامُ عَلَى الْاِكْثَارِ بِالسَّاَمٖ

قَرَّتْ بِہَا عَيْنُ قَارِيْہَا فَقُلْتُ لَهٗ لَقَدْ ظَفَرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمٖ

اِنْ تَتْلُہَا خِيْفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰى اَطْفَاْتَ حَرَّ لَظٰى مِنْ وِرْدِہَا الشَّبِمٖ

كَاَنَّہَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ بِهٖ مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَآئُ وْهُ كَا الْحُمَمٖ

وَكَا الصِّرَاطِ وَ كَالْمِيْزَانِ مَعْدِلَةً فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِہَا فِی النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

لَا تَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَاحَ يُنْكِرُہَا تَجَاہُلاً وَّ ہُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَہِمِ

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَّمَدٍ وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَآئِ مِنْ سَقَمِ

اَلْفَصْلُ السَّابِعُ

فِیْ ذِكْرِ مِعْرَاجِ النَّبِیِّ ﷺ

يَا خَيْرَ مَنْ يَّمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهٗ سَعْياً وَّ فَوْقَ مُتُوْنِ الْاَيْنُقِ الرُّسُمِ

وَمَنْ ہُوَ الْاٰيَةُ الْكُبْرٰی لِمُعْتَبِرٍ وَمَنْ ہُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰی لِمُغْتَنِمِ

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَّيْلاً اِلٰی حَرَمٍ كَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

وَقَدَّ مَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآئِ بِہَا وَالرُّسُلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمِ

وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِہِمْ فِیْ مَوْكِبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاواً لِّمُسْتَبِقٍ مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِّمُسْتَنِمِ

خَفَضْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ نُوْدِيْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ عَنِ الْعُيُوْنِ وَ سِرٍّ اَیِّ مُكْتَتِمِ

فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ   وَعَزَّ إِدْرَاكُ مَا أُولِيتَ مِنْ نِعَمِ

بُشْرى لَنَا مَعْشَرَ الإِسْلَامِ إِنَّ لَنَا   مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْناً غَيْرَ مُنْهَدِمِ

لَمَّا دَعَا اللهُ دَاعِيَنَا لِطَاعَتِهِ   بِأَكْرَمِ الرُّسْلِ كُنَّا أَكْرَمَ الأُمَمِ

اَلْفَصْلُ الثَّامِنُ

فِيْ ذِكْرِ جِهَادِ النَّبِيِّ ﷺ

رَاعَتْ قُلُوْبَ الْعِدىٰ أَنْبَاءُ بِعْثَتِهِ   كَنَبْأَةٍ أَجْفَلَتْ غُفْلاً مِنَ الْغَنَمِ

مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِيْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ   حَتّٰى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْماً عَلىٰ وَضَمِ

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوْا يَغْبِطُوْنَ بِهِ   أَشْلاَءَ شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

تَمْضِي اللَّيَالِيْ وَلَا يَدْرُوْنَ عِدَّتَهَا   مَالَمْ تَكُنْ مِنْ لَيَالِي الأَشْهُرِ الْحُرُمِ

كَأَنَّمَا الدِّيْنُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ   بِكُلِّ قَرْمٍ إِلىٰ لَحْمِ الْعِدىٰ قَرِمِ

يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ   يَرْمِيْ بِمَوْجٍ مِنَ الأَبْطَالِ مُلْتَطِمِ

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلّٰهِ مُحْتَسِبٍ   يَسْطُوْ بِمُسْتَأْصِلٍ لِلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

حَتّٰى غَدَتْ مِلَّةُ الإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ   مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُوْلَةَ الرَّحِمِ

مَكْفُوْلَةً أَبَداً مِنْهُمْ بِخَيْرِ أَبٍ   وَخَيْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُصَادِمَهُمْ   مَاذَا رَأى مِنْهُمْ فِيْ كُلِّ مُصْطَدَمِ

فَسَلْ حُنَيْناً وَّ سَلْ بَدْراً وَّ سَلْ أُحُداً   فُصُوْلَ حَتْفٍ لَّهُمْ أَدْهىٰ مِنَ الْوَخَمِ

اَلْمُصْدِرِی الْبِیْضِ حُمْراً بَعْدَ مَا وَرَدَتْ مِنَ الْعِدیٰ کُلَّ مُسْوَدٍّ مِنَ اللِّمَمِ

وَالْکَاتِبِیْنَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَا تَرَکَتْ اَقْلاَمُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَیْرَ مُنْعَجِمِ

شَاکِی السِّلَاحِ لَهُمْ سِیْمَا تُمَیِّزُهُمْ وَالْوَرْدُ یَمْتَازُ بِالسِّیْمَا مِنَ السَّلَمِ

تُهْدِیْ اِلَیْکَ رِیَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِی الْاَکْمَامِ کُلَّ کَمِیْ

کَاَنَّهُمْ فِیْ ظُهُوْرِ الْخَیْلِ نَبْتُ رُباً مِنْ شَدَّةِ الْحَزْمِ لَامِنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدیٰ مِنْ بَاْسِهِمْ فَرَقاً فَمَا تُفَرِّقُ بَیْنَ الْبَهْمِ وَالْبُهَمِ

وَمَنْ تَکُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِیٍّ غَیْرَ مُنْتَصِرٍ بِهٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَیْرَ مُنْقَصِمِ

اَحَلَّ اُمَّتَهٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِهٖ کَا للَّیْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِیْ اَجَمِ

کَمْ جَدَّلَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ مِنْ جَدَلٍ فِیْهِ وَکَمْ خَصَّمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمِ

کَفَاکَ بِالْعِلْمِ فِی الْاُمِّیِّ مُعْجِزَةً فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَالتَّاْدِیْبِ فِی الْیُتُمِ

اَلْفَصْلُ التَّاسِعُ

فِیْ طَلَبِ مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالیٰ وَ شَفَاعَةٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

فِی التَّوَسُّلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

خَدَمْتُهٗ بِمَدِیْحٍ اَسْتَقِیْلُ بِهٖ ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَضٰی فِی الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

اِذْ قَلَّدَانِیَ مَا تُخْشٰی عَوَاقِبُهٗ کَاَنَّنِیْ بِهِمَا ہَدْیٌ مِنَ النَّعَمِ

RekhtaDownload.com

اَطَعْتُ غَیَّ الصِبَا فِی الْحَالَتَیْنِ وَمَا حَصَلْتُ اِلَّا عَلَی الْاٰثَامِ وَالنَّدَمِ

فَیَا خَسَارَةَ نَفْسٍ فِیْ تِجَارَتِهَا لَمْ تَشْتَرِ الدِّیْنَ بِالدُّنْیَا وَلَمْ تَسُمِ

وَمَنْ یَبِعْ اٰجِلاً مِنْهُ بِعَاجِلِهٖ یَبِنْ لَهُ الْغَبْنُ فِیْ بَیْعٍ وَّ فِیْ سَلَمِ

اِنْ اٰتِ ذَنْباً فَمَا عَهْدِیْ بِمُنْتَقِضٍ مِنَ النَّبِیِّ وَلَا حَبْلِیْ بِمُنْصَرِمِ

فَاِنَّ لِیْ ذِمَّةً مِنْهُ بِتَسْمِیَتِیْ مُحَمَّداً وَہُوَ اَوْفَی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

اِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذاً بِیَدِیْ فَضْلاً وَّ اِلَّا فَقُلْ یَا زَلَّةَ الْقَدَمِ

حَاشَاهُ اَنْ یُحْرِمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَهٗ اَوْ یَرْجِعُ الْجَارُ مِنْهُ غَیْرَ مُحْتَرَمِ

وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْکَارِیْ مَدَائِحَهٗ وَجَدْتُّهٗ لِخَلَاصِیْ خَیْرَ مُلْتَزِمِ

وَلَنْ یَّفُوْتَ الْغِنٰی مِنْهُ یَداً تَرِبَتْ اِنَّ الْحَیَا یُنْبِتُ الْاَزْہَارَ فِی الْاَکَمِ

وَلَمْ اُرِدْ زَہْرَةَ الدُّنْیَا الَّتِی اقْتَطَفَتْ یَدَا زُہَیْرٍ بِمَا اَثْنٰی عَلٰی ہَرِمِ

اَلْفَصْلُ الْعَاشِرُ

فِی الْمُنَاجَاتِ وَ عَرْضِ الْحَالِ

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

وَلَنْ یَّضِیْقَ رَسُوْلَ اللهِ جَاهُکَ بِیْ اِذَا الْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

يَانفسُ لَا تَقْنَطِيْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ   إِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَا اللَّمَمِ

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّيْ حِيْنَ يَقْسِمُهَا   تَأْتِيْ عَلَى حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِي الْقِسَمِ

يَارَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِيْ غَيْرَ مُنْعَكِسٍ   لَدَيْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِيْ غَيْرَ مُنْخَرِمٍ

وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَهٗ   صَبْرًا مَتَى تَدْعُهُ الْأَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

وَأْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةٍ   عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّ مُنْسَجِمِ

وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ   أَهْلِ التُّقٰى وَالنُّقٰى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ

مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا   وَأَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِي الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

فَاغْفِرْ لِنَا شِدِّهَا وَاغْفِرْ لِقَارِئِهَا   سَأَلْتُكَ الْخَيْرَ يَا ذَا الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ

نوٹ: قصیدہ بردہ شریف کے صحیح نسخوں میں ''مَارَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ'' تک ہی اشعار ملتے ہیں۔ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے اپنی شرح بردہ شریف کا ماخذ ''شرح شیخ زادہ علامہ شیخ محی الدین محمد بن مصطفی قدس سرہ اور شرح علامہ عمر بن احمد آفندی خرپوتی شافعی مفتی خرپوت کو بنایا۔ اور مندرجہ اشعار تک ہی شرح لکھی۔ اسی طرح نفیس احمد مصباحی نے بھی اس قصیدہ کی شرح کو ''مَارَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ'' پر ہی ختم کیا ہے۔ لیکن بعض نسخوں میں ان کے بعد کچھ اشعار کا اضافہ بھی ملتا ہے۔ میری نظر سے عربی زبان میں اور اردو ترجمے میں بھی یہ اشعار گزرے ہیں۔ ان اشعار میں خلفائے راشدین، اہل بیت، صحابہ، تابعین اور عامۃ المسلمین کے علاوہ قصیدے کے مترجم اور قاری کے لیے بھی دعا کی گئی ہے۔ اور کئی شرح نگاروں اور مترجموں نے سنۂ تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی کے آخری شعر سے اس کے ترجمے کا سنۂ تصنیف ۱۲۸۰ھ ظاہر ہوتا ہے۔ مختلف نسخوں میں ملنے

والے زائد اشعار اس طرح ہیں۔

ثُمَّ الرِّضَا عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عَنْ عُمَرَ
وَعَنْ عَلِیٍّ وَ عَنْ عُثْمَانَ ذِی الْکَرَمِ

والْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ
أَهْلَ التُّقٰی و النَّقٰی وَ الْحِلْمِ وَ الْکَرَمِ

یَارَبِّ بِالْمُصْطَفٰی بَلِّغْ مَقَاصِدَنَا
وَاغْفِرْلَنَا مَامَضٰی یَا وَاسِعَ الْکَرَمِ

یَارَبِّ جَمْعاً طَلَباً مِنْکَ مَغْفِرَةً
وَحُسْنَ خَاتِمَةٍ یَا مُبْدِیَ النِّعَمِ

وَاغْفِرْ اِلٰهِیْ لِکُلِّ الْمُسْلِمِیْنَ بِمَا
یَتْلُوْهُ فِیْ الْمَسْجِدِ الْاَ قْصٰی وَ فِی الْحَرَمِ

بِجَاهِ مَنْ بَیْتَهُ فِیْ طَیْبَةٍ الْحَرَمِ
وَاسْمُهٗ قَسَمٌ مِّنْ اَعْظَمِ الْقَسَمِ

فَاغْفِرْلَنَا شِرْهَا وَ اغْفِرْلَقَارِهَا
سَائِلُكَ الْخَیْرَ یَا ذَاالْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

وَهٰذِهٖ بُرْدَةُ الْمُخْتَارِ قَدْ خُتِمَتْ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فِيْ بَدْءٍ وَّ فِيْ خَتَمٖ

اَبْيَاتُهَا قَدْ اَتَتْ سِتِّيْنَ مَعْ مِائَةٍ
فَرِّجْ بِهَا كَرْبَنَا يَا وَاسِعَ الْكَرَمِ

اردو ترجمہ

پھر خدا کی رضا ہو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے جو صاحب جود و کرم ہیں۔

اور آل و اصحاب اور پھر تابعین سے جو متقی، پاکباز بردبار اور صاحب جود و عطا ہیں۔

اے میرے پروردگار! سرکارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہماری مرادیں پوری کر اور اے وسعت کرم والے ہمارے گزشتہ گناہوں کو بخش دے۔

اے پروردگار اور اے ساری نعمتوں کو وجود بخشنے والے! ہم سب تجھ سے مغفرت اور حسن خاتمہ کے طالب ہیں

بار الٰہا! ہر مسلمان کو اس قرآن کے وسیلہ سے بخش دے جو مسجد اقصیٰ اور حرم پاک میں تلاوت کرتا ہے۔

اس ذات پاک کی طفیل جس کا کاشانہ اقدس حرم طیبہ میں ہے اور جس کا نام نامی عظیم ترین قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

اے جود و کرم فرمانے والے اللہ! اس عقیدے کے مصنف کو اور اس کے پڑھنے والے کو بخش دے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں۔

یہ نبی مختار کی نعت، قصیدہ بردہ اختتام کو پہنچا۔ اس کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔

اس کے اشعار ایک سو ساٹھ ہوتے ہیں۔ اے وسعت کرم والے معبود! اس کے وسیلہ سے ہماری مصیبت اور پریشانی دور فرما دے۔

مندرجہ بالا شعر میں قصیدہ بردہ شریف کے اشعار کی تعداد ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس قصیدے کے اشعار کی صحیح تعداد ایک سو ساٹھ ہی ہے۔ البتہ بعض نسخوں میں کچھ اشعار اضافی ہیں۔

اردو......قصیدۂ بردہ شریف

مترجم

مولوی عبدالفتاح اشرف علی گلشن آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے محبت کس حبیب خاص کی اس جا بیان
یاد میں جس کے ہوا خون تیری آنکھوں سے رواں

یا چلی ہے کاظمہ کے باغ سے بادِ نسیم
یا درخشاں برق صحرائے اِضم سے ہے عیاں
کیا ہوا آنکھوں کو روویں منع کرنے سے زیاد
کیا ہوا دل کو جو بہلاویں تو ہو شورش کنان

آتش دل شعلہ زن ہے چشم گریاں اشکبار
عشق کیوں کر ایسی حالت میں رہے تیرا نہاں

RekhtaDownload.com

گر نہ عشق یار ہے بے خوابیٔ ہجراں ہے کیا
گر نہ ہو دل میں محبت کب ہوں آنکھیں خونفشاں

کب ہو انکارِ محبت دونوں آنکھیں ہیں گواہ
لوح رخساروں پہ ہے خون سے رقم اس کا بیاں

لاغری تن کی ہے آنکھوں سے رواں سیلاب خون
زرد رنگ و خشک لب ہیں عشق کے سارے نشان

موج ہے دریائے غم کے روز و شب بہتا ہے دل
یاد اس کے وصل کی زندہ رکھے ہے شادمان

ناصحا کب تک ملامت عذر مجنوں ہو قبول
ہجر میں عاشق کے دل کو کب رہے تاب وتوان

دوستوں کا ذکر کیا دشمن بھی دیکھے رحم لائے
ہے عجب درد محبت کب تلک رہوے نہان
ہے دوائے پند نزد عقل اکثر سود مند
لیکہ ضعف و ناتوانی ہے قوی بندگران

حالت پیری میں تہمت عشق کی ہوتی ہے کب
عشق پیروں کو بھی کر دیتا ہے آخر نوجوان

RekhtaDownload.com

نفسانی خواہش سے باز رہنے کا ذکر

نفس امارہ ہے سرکش دل میرا مجبور ہے
جہل و غفلت سے ہے پیری میں جوانی کا زمان

پیرنابالغ ہے قدر زندگی سمجھا نہیں
کچھ ادا نہ کرسکا اس نے حقوق مہمان

قدر مہماں کی اگر دل کو میرے ہوتی خبر
ہوئی پیری کی سفیدی کو سیہ کرتا نشان

نفس کے سرکش ہوں کو دے ریاضت کی لگام
راہ پر لاتا اگر کچھ ہوش رکھتا میں یہان

فعل عصیان کسر شہوت سے کہاں ہو خاک کم
اشتعال آتش جوعی کی ہوائے آب دنان

نفس کیا ہے طفل نادان شیر ہے اس کی خوراک
گر بڑھاوے دودھ عادی ہووے کم کم بیگمان

تربیت کر کھیل سے حرص و ہوا کے باز رکھ
ورنہ حاکم بن کرے سب دین تیرا رایگان

نفس کو تابع بنا تا ہو عمل میں راہوار
ناز پروردہ ہوا تو ہے عذاب جاودان

لذت دنیا کشندہ زہر و شیرینی بہم
چرب و شیریں سے بچے اسکو ملے امن و امان

نفس کے حیلوں سے ڈر یا بھوک یا سیری میں ہوں
ہے گرسنہ پن کبھی سیری سے بدتر خوب جان
رو ندامت سے تو کر آنکھوں سے جاری اشک کو
یہہ تلافی ہے گناہوں کی برائے عاصیان

نفس و شیطان کے مخالف کام کرتا ہو نجات
مت اٹھا فرمان انھون کا گرچہ ہوں از ناصحان

ہیں یہ دشمن مکر سے ان کے سدا بچتا رہو
شیرینی دیویں تو اس میں زہر کا ہے گا گمان

میں پڑھوں استغفراللہ از کلام بے عمل
کب عقیمہ سے ملے اولاد کا نام و نشان

تجھ کو کرتا ہوں نصیحت بھولتا ہوں خود کو میں
خود فضیحت غیر کو کرنا نصیحت ہے کہاں

نا کیا سنت بجا تا ہووے زادِ آخرت
اور نماز روزہ بھی جس سے ملے دارالجنان

رسول پاکؐ کی مدح وثنا

میں نے سستی کی بڑی سنت میں حضرت کی سدا
جوکہ ہے ختم الرسل شمس الہدیٰ شاہ شہان

تھا قیامِ شب کہ پیروں پر ورم آتا بہت
سنگ باندھے بر شکم اور شکر میں جاری زبان

کوہ سونا اور سنگ ریزے جواہر بن گئے
پھر بھی حضرت نے نگاہ اس پر نہ کی لینا کہاں

خود گرسنہ اور لوگوں کو کھلاویں نعمتیں
آپ فاقے میں کریں حاجت روائے دیگران

واہ کیا صبر و تحمل ترک دنیا بذل جہد
خود اٹھاویں رنج بے حد بہر عیش اُمتان

تھی ضرورت ان کو کب دنیا کے قانع تھے مدام
گر نہ ہوتے آپ دنیا کا بھی ہوتا گم نشان

بہتر اہل دو عالم سرور عرب و عجم
ہیں محمد سید الکونین فخر انس و جان

راست گو تھے صادق الاقوال وہ محبوب حق
شاہ مرسل حکم ان کا سب پیمبر پر روان

رنج و سختی میں وسیلہ روز محشر میں شفیع
شافع العصات ہیں امید گاہِ بے کسان
خلق سے شامل ادھر اللہ سے واصل ادھر
رہبر مخلوق سوئے خالق کون و مکان

بہتر پیغمبران در خلق وہم خلق عظیم
کوئی ان سا نہ ہوا نہ ہوئیگا اندر جہان

ملتمس ہیں سب نبی حضرت رسول اللہ سے
جرعہ یاب فیض لاہوتی زبحر بے کراں

صف بہ صف حدِ ادب سے ہیں حضوری میں کھڑے
وہی نقطہ علم کا اور دور سارے مرسلان

فیض یاب نور و حکمت سب ہیں اس کے نور سے
جان ملایک انبیا شمس و قمر سیارگان

حق کا ہے محبوب کامل صورت و معنی میں تام
وہ ہے شمس نور وحدت اور سب ہے اختران

کوئی شریک اس کا نہیں ہے علم و جاہ و فضل میں
جسم اس جوہر کا روح روح ہے اور جان جان

جیسا ترسا نے کہا عیسیٰ کے حق میں مت کہو
اس سوا سب وصف شایان ذات کو اس کے پہچان
نسبت مدح و شرف جو کچھ کہو اس کی ہے خوب
ہے ابوالارواح نور خاص حق رحمت کی شان

فضل جاہ مصطفیٰ افزوں ہے از حدِ قیاس
بند ہیں تحریر میں اس کے سبھوں کی انگلیاں

گر نہ ہووے معجزے کا اسم منسوب جناب
زندہ ہووے نام سے اس کے پرانی استخوان

عقل عاجز فہم کرنے سے کلام اس کے ہے
عالم علم لدنّ اُمّی کا ہے ظاہر بیان

معنی لفظ محمد عقل پر کھلتا نہیں
اب تلک ہے اہل معنی کی یہاں خاموش زبان

RekhtaDownload.com

دور سے خورشید آتا ہے نظر چھوٹا بہت
آنکھ کی نسبت بصر کو خیرگی ہوتی یہاں

جب نہ دیکھے کیوں کہ سمجھیں گے حقیقت ذات کی
ہے غنیمت خواب میں گر دیکھ لیویں شائقان

اتنا ہی معلوم بندوں کو کہ وہ ہے آدمی
اشرالخلوق و عقل کل ہے شاہ مرسلان
جو کہ سب پیغمبروں نے معجزے بتلائے ہیں
برکتِ نور نبیؐ سے فیض پائے جاودان

اقتباس نور احمد سے کریں سب رات دن
وہ ہے خورشید جلالت اور سب سیارگان

خلق حضرت ہے عمیم اور عرق ہے خوشبو شمیم
رخ کھلا گلزار خوبی خندہ زن ہر بوستان

ہے بہارستان محبوبی شرف میں مثل بدر
ہے سخا میں مثل دریا ذی ہمم عالی مکان

ہے جلالت کے فلک پر ماہِ تاباں شمس نور
خدمت روحانیاں خیل و حشم کروبیان

دو جہاں مثل صدف و دُرّ مکنون آبدار
ہے دہن جوں دُرج پُرور لعل لب گوہر فشاں

عرق سے اس کے گلاب و موتیا ہے خوشہ چین
خاک بو سے جس نے پایا وہ ہوا از ناجیان

۴۔ ولادت طیبہ

وقت میلاد اسکی بوئے خوش چلی عنبر سرشت
اب تلک جس سے معطر ہے مشام انس و جان

ملک فارس میں تزلزل پڑ گیا اس رات کو
سب نے جانا اب ہوا پیدا نبی آخر زمان

طاق کسریٰ کسر پایا گر پڑے چودہ منار
بعد چودہ پشت شاہی گم ہوئی اس کی وہاں
ساہیہ کے دشت میں جاری ہوئی نہر عظیم
اور بجھا آتشکدہ اصطخر کا بھی ناگہاں

ہو گیا ساوہ کا دریا خشک جوں صحرائے ریگ
تشنہ کون کی چشم سے اس غم سے تھا دریا رواں

استحالہ آپ کا آتش سے ہوتا ہے کبھی
غم سے آتش کا ہوا پانی بصد تاب و توان

گفتگو جنات کرتے تھے کہ رخشندہ ہے نور
حق ہوا ظاہر بمعنی و کلام اتقان

اس بشارت سے ہوئے ہیں کور کر سارے عدو
نا سنے نا دیکھ پائے رعد اور برق جہان

باوجود اس کے کاہن ان سے کہتے تھے خبر
دہن کج مردود ہوگا اور رسوم گمرہان

آسمان سے رجم شیطان کے لیے آتش گری
سرنگوں بت گر پڑے دنیا میں سارے ایک سان

بھاگتے شیطان سارق آسماں سے سوئے ارض
تھے حلقے آتشیں مثل شہاب ان پر روان
ابرہہ کی فوج کی جیسی خرابی ہوگئی
یا کہ سنگریزوں سے بھاگے سب شجاعان زمان

سنگریزہ اس ید اطہر میں تھا تسبیح گوئی
جس طرح یونس تھے بطن حوت میں تسبیح خوان

۵۔ معجزات کا بیان

آپؐ کے فرمان سے آیا جھاڑ چل کر دور سے
ہے بجا لایا وہ سجدہ سامنے آ بے زبان

خط زمین پر ہو گئے شاخوں سے اس کے آشکار
ہے رقم اعجاز کا طغرا بسطح خاکیان

ابر سر پر سایہ کرتا اور رہتا تھا مدام
تا نہ ہو گرمی سے ایسے شمس انور کو زیان

والقمر کی ہے قسم جو شق ہوا تحقیق ہے
نسبت نادر بقلب آن شہ دارالجنان

غار میں خیر و کرامت کس قدر سے بس گئی
سب طرف کفار پھرتے اور نہ پاتے تھے نشان

صادق و صدیق دونوں غار میں بیٹھے تھے خوش
بولتے کفار یہاں کوئی نہیں ہے گا نہان

کب رکھے بیضہ کبوتر کب تنے ہے عنکبوت
تار کب قائم رہے گر کوئی آ بیٹھے یہان

RekhtaDownload.com

از شرورِ دشمنان تھا آپ کا حافظ خدا
اس لیے حاجت نہ تھی با قلعہ و درعِ گران

جب ہوا مظلوم و عاجز میں زمانے سے لیا
آسرا حضرت محمد کا ملی امن و امان
کی طلب میں نے غنادارین کی اس ذات سے
کفش بوسی کا ملا رتبہ مجھے یہاں اور وہاں

وحی سے انکار مت کر خواب حضرت ہے صحیح
خواب ہے گر چشم میں پر دل میں بیداری عیان

خواب ہے جزو نبوت اول پیغمبری
معجزہ تھا وہ نہ تھا مانند خوابِ دیگران

حاشاء اللہ وحی ان کو کسب سے کب ہے ملی
کب نبی ہے متہم برغیب نزد عاقلان

ہاتھ ملنے سے شفا پاتے تھے بہترے مریض
آرزو محتاج دیوانوں کی بخشا ہر زمان

قحط سالی میں دعا کی خیر و برکت ہوئی نمود
خوب ارزاں ہوگئی ہر جنس و غلّہ بے کران

جب دعا کرتے اسی دم ابر ہوتا نمود
عنصر و اجرام سب تھے آپ کی آزتا بعان

سیل آئی ہے عرم میں اور ہوئی آتش پدید
برسر کوہ علم یہ معجزے کا ہے بیان

۶۔ فضائل قرآن

معجزے ایسے بہت ہیں اس جناب پاکؐ کے
نظم کو ہر پیکران تحریر میں آویں کہاں

جو کہے مدّاح تعریف بی کم ہے یقین
ہے زیادہ وصف از حدِ خرد علم و بیان

ہے کلام اللہ نازل کامل الوصف و قدیم
نعت احمد کی سبھی مکتوب ہے اندر قرآن

اقتران از منہ اس میں نہیں پردی خبر
حشر و بعث و نشر کی شداد و قومِ عادیان

یہ رہا باقی ہمارے پاس افضل معجزہ
دوسروں کا معجزہ کچھ بھی نہیں باقی یہاں

RekhtaDownload.com

محکمات آیات قرآن بے شبہ ہیں نور حق
حجت قاطع بیان ساطع امام انس و جان

جو کہ قرآن سے مخالف ہو چلا پایا شکست
اس بلاغت اور معانی سے خجل ہیں افصحان

رد ہوا دعوا معارض کا ہر ایک الفاظ سے
مثل دریا موج زن ہے و در گوہر اندر آن

موج دریا کی طرح معنی ہیں اس کے آشکار
حسن جوہر لذت باطن ہے اس میں بے کران

گر پڑھے اکثر کوئی پھر اور پڑھنے کا ہو شوق
ہیں عجائب بے شمار اس میں رموز عارفان

چشم خوانندہ ہو روشن اس کے پڑھنے سے مدام
کر تلاوت تو نے پایا ہے یہہ گنج شایگان

گر تو پڑھتا ہے اسے خوف جہنم کے لیے
سرد ہو نار جہنم تجھ پہ بے شک خوش بخوان

ہے وہ مثل حوض خوانندہ کو رکھے روسفید
روسیہ آوے تو ہوجاوے معزز در زمان

وہ صراط المستقیم اور عدل کی میزان ہے
راستی اور عدل کب لوگوں میں ہو غیر از قرآن

گر کیا انکار حاسد نے نہیں اس کا عجب
جان کر انجان ہوتا ہے حسود بدگمان

گر رَمد ہے آنکھ میں کب دیکھ سکتا ہے وہ شمس
بدمزہ ہے آب گر بیمار ڈالے در دہان

۷۔ معراج النبی کا بیان

خوش نصیب اس کا ہے جو سمتِ مدینے کے چلا
پا پیادہ ہووے یا مرکب ہو اس کے زیرِ ران

آیت کبریٰ تمہاری معتبر ہے ذات پاک
نعمت عظمیٰ تمہاری ہے صفت کا بیان

شب کو مکّے سے چلے اقصیٰ کی جانب دھوم سے
جس طرح تاریک شب میں بدر ہو جلوہ کنان

رات کو منزل کیے ایسے مقام قرب میں
قاب قوسین اس سے ادنیٰ اور مکان تھا لامکان

انبیا اور مرسلون کے آپ تھے وہاں پیشوا
آپ تھے مخدوم اور سارے تھے اس جا خادمان

سب رسولوں سے گزر کر عرش سے ہو کر بلند
سب ملایک تھے جلو میں عالم روحانیان

طے کیے ساری مسافت بُعد کی اور قُرب کی
کوئی اس جا پر نہ پہنچا تھا کہ خود پہنچے جہان

جب مقامِ وصل کو پہنچے کہ تھا مخفی زخلق
چشم عالم سے نہفتہ مرجع سرِّ نہان

درجہ اعلیٰ وصال خود بخود ایسا ملا
عقل دور اندیش کا عاجز ہے یہاں وہم وگمان

جمع کی ساری فضیلت واجب و امکان کی
غیر نے ہرگز نہ پایا تم سوا جس کا نشان
رتبۂ جاہ و جلالت آپ کو اس جا ملا
جو فنا کی اور بقا کی معرفت سے ہے قرآن

ہو مسلمانوں کو مژدہ رحمت و برکت کے ساتھ
رکن پایندہ عنایت ہے کیا ہر صالحان

افضل مرسل کیا حق نے جو حضرت کو یقین
ان کی امت بھی ہوئی افضل سبھوں سے بے گمان

۸۔غزوات کا بیان

آمد آمد مقدم حضرت کی سُننے سے عدو
خوف سے بھاگیں، ڈریں، کھڑکے ہے جیسے بکریان

دشمنوں پر جب کرے حملہ بروز معرکہ
باوجود تیغ و بکتر گوشت ہووے قیمہ سان

تنگ ہو ان پر زمین اڑتے پھریں وقت گریز
پارہ پارہ جسم ہووے چیل و گد سے ہمعنان

اس طرح خائف مخالف دست و پا گم کردہ ہیں
کب مہینوں کو پہچانے حرمت روزشبان

دین ہے مہمان عزیز اور ہے ضیافت اس کی خوب
پارۂ لحم و جگر دشمن کا اس کے زیب خوان

دشمنوں کے خار و خس کے پاک کرنے کے لیے
فوج دریا موج ہر جانب سواروں کی روان

سب نبی کے حکم سے راہ خدا میں گرم رو
بیخ و تن کفر و ضلالت کی اکھاڑے ہر کران

دین اسلام ان کی کوشش سے قوی محکم ہوا
بعد غربت کے ہوا مقبول نزد ہم کنان

اہل دین مثل پدر شوہر کفیل اس کے بنے
کب یتیم وہ بیوہ رہوے جس کے ایسے ہو ضمان

ثابت و قائم مثال کوہ سب دیندار ہیں
پوچھ اس کو جس نے دیکھا زور دست غازیان

تو حُنین و بدر سے گوہِ اُحد سے پوچھ لے
بدتر از خَسَف و وبا تھا حال مرگ دشمنان

تیغ رخشاں تھی سفید اب سرخ رو کیسی ہوئی
زردرویوں کے سیہ دل کا لیا جب امتحان
نیزہ بازوں کے قلم کیا خوش قطع تھے بند بند
حرف دشمن کا نہ چھوڑا بے نقط اور بے نشان

تھے مسلمان سرخ رو ممتاز قوم کفر سے
جیسے گل ہے خار سے ممتاز باصد عزّ و شان

بادِ نصرت کیا شگفتہ ہدیہ لادے آپ کو
باغ باغ ہے خاطر یاران عشرت تو امان

پشت پر گھوڑوں کے بیٹھے ہیں جوانانِ شجیع
کوہ پر جون گلبن سبز آپ نصرت سے ریان

اس قدر ہے ترس غالب کفر پر اسلام کا
بھاگتی ہے جیسے بکری دیکھ کر شیر ژیان

ہے طفیلی مصطفیٰ یاروں کو نصرت اس قدر
کوہ میں للکار مارین شیر بھاگے لے کے جان

اپنی امت کو پناہ دین میں اس نے رکھا
شیر بچے شیر کے پہلو میں ہیں بازی کنان

دوست دار مصطفیٰؐ منصور ہے بے شک یقین
جس کے دشمن ہیں ذلیل و مہزم کو روگران

حجت قاطع ہے قرآن منکروں پر آپ کے
کیا کلام حق کے آگے گفتگوئے ملحدان

معجزہ ہے علم کافی کیوں کہ تھے امی لقب
وہ یتیمی یہہ ادب تہذیب اور حلم گران

اللہ سے بخشش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شفاعت کی امید کا ذکر

مدح سے خدمت کیا میں آپ کی ہے عرض یہ
تا طفیل اس کے عفو ہو عمر بھر کا داستان

عمر غفلت سے گئی خدمت میں دنیا کی میری
قید ہے گردن میں میرے ہائے فکر این و آن

کار طفلی میں جوانی اور پیری کھو دیا
جز گناہ حاصل نہیں کتنا کروں شور و فغان

وا دریغا نفس نے کر عمر کا مایۂ تلف
تا خریدا دین کا سودا یہاں غیر از زیان

نقد کو نسیہ میں کھویا کچھ نہیں حاصل کیا
حال ہے بیع سلم کا غبن فاحش کی دکان

گرچہ عاصی ہوں، ولے ہے عہد احمد سے درست
عقدۂ امید رحمت کی ہے ثابت ریسمان

عبدیت کا تاج سر پر ہے محمد نام پاکؐ
نقش ہے دل کے نگینے پر محبت کا نشان

فضل سے گر مغفرت ہووے نہیں اس کا عجب
ورنہ دست من بد امانش فغان الامان

حاشا اللہ مت کرم سے آپ کے ہو نا امید
کب ہو امایوس راجی ان سے در ہر دو جہاں

جب سے ان کی مدح میں کہتا ہوں اشعار خاص
تب سے ہے راحت بدن کو شادی روح و رواں

ہے غنی وہ اور میں محتاج اس کے در کا ہوں
یوں نہ ہو مجھ کو خلاصی میں ہوں کس کا مدح خوان

فیض باران کا ہے پروردہ گل و خار و گیاہ
رحمت ابر کرم ہے پر کہاں و بر جہان

جب زہیری نے لکھا مدح ہرمؔ با آب و تاب
دولت و ملک و جواہر اس نے پایا بے گران

۱۰۔ ذکر مناجات اور عرض مناجات

راست ہوئے نعت جب اہل کرم کی شان میں
نعمت کونین وہ پاوے زشاہِ داستان

Rekhta Download.com

یا نبی مجھ کو نہیں ہے اب وسیلہ تم سوا
حادثے ہیں عام عالم کے مجھے بخشو امان

کچھ کم نہ ہو مرتبے میں آپ کے ایک لطف سے
ہو شفاعت پیش حق مجھ کو ملے دار الجنان

کیوں کہ دنیا اور عقبیٰ ہے تمھارے جود سے
ذرّہ علم شما لوح و قلم کا سب بیان

قطع، مت امید کر اے دل بھروسہ ہے بڑا
کوہ عصیان مغفرت کے روبرو ہے ذرّہ سان

عاصی بدکار ہے، اب عفو کا امیدوار
ہے خدا رحمت کا صاحب ہے نبی رحمت کی شان

جب کرے تقسیم رحمت کی وہ غفار کریم
حسب عصیان آوے حصے میں یہی ہے اُمتنان
اے خدا محروم مت کر اپنی رحمت سے مجھے
عفو کر میرا حساب از بسکہ میں ہوں ناتواں

لطف کر اس بندۂ عاصی پہ تو دارین میں
صبر اس کا ہول اور دہشت سے ہوتا ہے رمان

تا چلے باد صبا اور ہو درختوں کو بہار
راہواری ہو شتر کی اور حدی خوان ساربان

حکم کر تسلیم وصلوات ہووے روز و شب نزول
مصطفی پر قطرۂ باراں کے جیسی بے گراں

آل و صحابوں پہ ہوئے تابعو پر بھی مدیم
اہل تقوی پر کرم اور ہو پر امتحان

جب قصیدہ بردہ کا توفیق سے اللہ کے
ترجمہ اشرفؔ نے لکھا خوب در ہندی زبان

داخل غفران مترجم بھی طفیلی بن گیا
کاہ پر گلشن کے فیض ابر ہے آج تک ذکر نبی

باعث رحمت ہے اشرف آج تک ذکر نبی
سال بارہ سو پہ (۱۲۸۰ھ) اسّی ہجریہ ہیں این زمان

حواشی

۱۔ تذکرہ علمائے حال، مصنف مولوی محمد ادریس نگرامی، مطبوعہ۔ منشی نولکشور، لکھنؤ ۱۸۹۷ئ، صفحہ نمبر ۴۹

۲۔ جامع اللغات۔ مولفہ و مرتبہ خواجہ عبدالحمید۔ بی اے، مطبوعہ جامع اللغات کمپنی، لاہور، ۱۹۳۴ء، ص ۵۸۰

Rekhta Download.com

٣۔ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۴ء ص نمبر ۱۲۷ (مخزونہ کریمی لائبریری)

۴۔ مولوی عبدالحلیم ساحل۔ مضمون سید عبدالفتاح گلشن آبادی۔ بشمولہ نوائے ادب ۱۹۷۵ء ص ۶۱

۵۔ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۴ء ص نمبر ۱۲۶ (مخزونہ کریمی لائبریری)

۶۔ آب کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ مطبوعہ فیروز سنز کراچی بار دوم ۱۹۵۸ء ص ۴۲۵

۷۔ تذکرہ اولیاء دکن، محمد عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری۔ مطبع رحمانی حیدر آباد ص ۴۶۳

۸۔ گلشن صادق۔ مؤلف میر وارث علی۔ ص نمبر ۱۰۳

۹۔ جامع الفتاوئی۔ مصنف سید عبدالفتاح گلشن آبادی ۔ مطبوعہ فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۳ھ ص نمبر ۲

۱۰۔ اشرف القوانین ۔ سید عبدالفتاح۔ مطبوعہ مطبع مرغوب علی حیدری، بمبئی۔ ۱۸۷۰ء ص نمبر ۳

۱۱۔ تاریخ الاولیا۔ جلد اوّل، سید امام الدین احمد، مطبع مرغوب بمبئی۔ ۱۲۹۱ھ۔ ص نمبر ۴۷۶

۱۲۔ گزیٹر آف بمبئی۔ جلد ۱۶۔ ص نمبر ۱۸۱

۱۳۔ علمائے ہند۔ رحمانی علی۔ مطبوعہ منشی نولکشور۔ لکھنؤ بار اوّل۔ ۱۸۹۴ء

۱۴۔ گزیٹر آف بمبئی۔ مصنف جیمز ایم کیمبل، ۱۸۸۳ء

۱۵۔ مولوی عبدالحلیم ساحل ۔ مضمون سید عبدالفتاح گلشن آبادی۔ بشمولہ نوائے ادب ۱۹۷۵ء

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ جامع الفتاوئی، مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبوعہ مطبع فتح الکریم، واقع بمبئی ۱۳۰۳ھ

۱۹۔ تحفۃ المشتاق ......از سید اشرف علی ص نمبر ۲۔ مطبوعہ در مطبع حیدری۔ ۱۸۷۲ء

۲۰۔ جامع الفتاوئی۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی۔ مطبع فتح الکریم، واقع بمبئی ۱۳۰۳ھ ص نمبر ۳

۲۱۔ جامع الفتاوئی۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی۔ مطبع فتح الکریم، واقع بمبئی ۱۳۰۳ھ ص نمبر ۳

۲۲۔ تحفۃ المشتاق ......از سید اشرف علی ص نمبر ۲۔ مطبوعہ در مطبع حیدری۔ ۱۸۷۲ء ص نمبر ۲

۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۴ء ص نمبر ۱۲۷ (مخزونہ کریمی لائبریری)

۲۴۔ جامع الفتاوئی، سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبوعہ فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۳ھ۔ ص نمبر ۲

۲۵۔ تذکرہ علمائے حال۔ مصنف مولوی محمد ادریس نگرامی۔ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۷ء ص نمبر ۱۵

۲۶۔ تاریخ الاولیاء تقریظ۔ عبدالفتاح...... جلد اول۔ صفحہ اول، ۔ در مطبوعہ مطبع مرغوب، بمبئی

۲۷۔ ایضاً، ص نمبر ۴۷۷

۲۸۔ تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۹۴ء، ص نمبر ۱۲۷ (مخزونہ کریمی لائبریری)

۲۹۔ قلمی بیاض۔ (مخطوطہ) مخزونہ کامالائبریری، ممبئی

۳۰۔ اخبار ارمغان۔ ۱۴ر نومبر ۱۸۸۲ء، جلد ۱، نمبر ۴۹، ممبئی، ایڈیٹر۔ منشی ابوالحسن جوہر۔ مطبع مجیدی، ممبئی

۳۱۔ مسافران لندن۔ سرسید کا سفرنامہ، مرتب اصغر عباس، علی گڑھ۔ ۲۰۰۹ء

۳۲۔ کتاب اول۔ فارسی آموز۔ مولوی عبدالفتاح ص نمبر ۴۶

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ تاریخ الاولیاء تقریظ۔ مولوی عبدالفتاح...... جلد اول، در مطبوعہ مطبع مرغوب، بمبئی۔ صفحہ ۴۷۶

۳۶۔ جامع الفتاوئی۔ مولوی عبدالفتاح...... ص نمبر ۳

۳۷۔ تحفۃ المقال فی الصطلاحات والامثال۔ مولوی عبدالفتاح...... ص نمبر ۲

۳۸۔ اشرف الانشاء۔ مولوی عبدالفتاح۔ ص نمبر ۴

۳۹۔ کتاب سیوم۔ تشریح الحروف والفاظ۔ مولوی عبدالفتاح...... ۱۸۸۱ء مطبع فتح کریم بمبئی۔ آخری صفحہ

۴۰۔ اخبار: فرحت الاحباب، بمبئی۔ ایڈیٹر، محمد منظور قریشی بھنڈی بازار، ممبئی تاریخ ۱۰ جمادی آخر بروز جمعہ ۱۲۹۳ ہجری۔ مطابق ۲۲ جون ۱۸۷۷ء

۴۱۔ تاریخ الاولیا۔ مولف سید امام الدین احمد، مطبع مرغوب بمبئی۔ ۱۲۹۱ھ۔ ص نمبر ۴۷۷

۴۲۔ بمبئی میں اردو۔ از ڈاکٹر میمونہ دلوی

۴۳۔ کتاب دوم۔ اصول زبان فارسی۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی

۴۴۔ بمبئی میں اردو۔ از ڈاکٹر میمونہ دلوی، ص نمبر ۱۱۳

۴۵۔ کتاب چہارم۔ خزانہ دانش۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ اشرف الانشاء۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ ص نمبر ۵

۴۸۔ ایضاً...... ص نمبر ۸۱

۴۹۔ اشرف الانشاء۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ ص نمبر ۸۰

۵۰۔ کتاب صد حکایت۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ مطبوعہ مجستک پرنٹنگ پریس۔ بمبئی۔ ۱۹۳۶ء ص نمبر ۲

۵۱۔ اشرف القوانین فارسی۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ ص نمبر ۴

RekhtaDownload.com

۵۲۔ تحفت المثقال فی الاصطلاحات والامثال۔ از مولوی عبدالفتاح۔ ص نمبر ۲

۵۳۔ خزینتہ العلوم۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ ص نمبر ۳۔ ۹۵

۵۴۔ تعارف تاریخ اردو۔ از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ مطبع سرفراز قومی پریس۔ لکھنؤ۔ ۱۹۶۳ء۔ بار دوم ص نمبر ۲۹

۵۵۔ تاریخ ادب اردو۔ از: ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی ۱۹۷۷ء ص نمبر ۱۳۳

۵۶۔ جامع الفتاوی۔ مولوی عبدالفتاح...... ص نمبر ۴

۵۷۔ جامع الفتاوی۔ مولوی عبدالفتاح...... ص نمبر ۴

۵۸۔ دولت بے زوال و برکت حال و مآل۔ از مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ ص ۴،

۵۹۔ ایضاً...... ص نمبر ۷۵

۶۰۔ ایضاً...... ص نمبر ۷۶

۶۱۔ بمبئی میں اردو۔ از ڈاکٹر میمونہ دلوی

۶۲۔ دیوان اشرف الاشعار۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ صفحہ اوّل

۶۳۔ دیوان اشرف الاشعار۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ صفحہ اوّل

۶۴۔ دیوان اشرف الاشعار۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ صفحہ ۹۶

۶۵۔ مضمون ''سلطان مدینہ کی حمد وثنا'' مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی۔ بشمولہ جشن نعت رسولؐ، مطبوعہ ادارہ الانصار۔ حیدرآباد۔ اپریل ۲۰۰۶ء

۶۶۔ تاریخ ادبیات عربی۔ مؤلفہ: سید ابوالفضل، مطبوعہ: اعجاز پرنٹنگ پریس۔ حیدرآباد۔ ۱۹۵۴ء ص نمبر ۲۰۵

۶۷۔ جلال الدین عبدالرحمن بن الکمال سیوطیؒ کا شمار مصر کے علماء میں ہوتا تھا۔ ان کا زمانہ ۸۴۹ تا ۹۱۱ھ ہے۔ انھوں نے تقریباً ۳۱۶ کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔ امام بوصیریؒ کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف ''المذھر'' میں کیا ہے۔

۶۸۔ A literary History of the Arabs By R.A. Nicholson, Printed in India. Adam Publishers & Distributers, Delhi-1994 Pg. No. 327.

۶۹۔ مضمون قصیدہ بردہ کا ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ۔ مصنفہ: ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔ بشمولہ۔ نوائے ادب۔ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء ص نمبر ۴۶

۷۰۔ کشف بردہ۔ مرتبہ: نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی۔ مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۰۰۵ء۔ ص نمبر ۱۶

۷۱۔ قصیدہ بردہ شریف۔ ترجمہ محمد فیاض الدین نظامی۔ بہزاد دکن۔ مطبوعہ الحمرا۔ حیدرآباد ۱۹۶۹ء

RekhtaDownload.com

۷۲ کشفِ بردہ۔ مرتبہ: نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی۔ مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۰۰۵ء۔ ص نمبر ۱۸

۷۳ ایضاً۔ ص نمبر ۱۸

۷۴ ایضاً۔ ص نمبر ۱۸

۷۵ امام بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ کا پہلا شعر ہے

۷۶ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف..... شارح علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ ص نمبر ۲۴

۷۷ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر محمود الٰہی۔ جمال پرنٹنگ پریس۔ دہلی۔ ۱۹۷۳ء۔ ص نمبر ۸۶

۷۸ عربی ادب کی تاریخ۔ مصنف ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی (جلد دوم) مطبوعہ۔ جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد دہلی ۱۹۹۸ء۔ ص نمبر ۱۶۸

۷۹ ایضاً

۸۰ مضمون: ردائے نبویؐ۔ مصنف اختر الاسلام۔ بشمولہ۔ مدینہ ڈائجسٹ رحمۃ العالمین نمبر۔ جون جولائی ۱۹۶۹ء دہلی۔ ص نمبر ۸۸

۸۱ قصیدہ بردہ شریف: مترجم اردو۔ محمد فیاض الدین نظامی، بہزاد دکن۔ ص نمبر ۴، مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۸۲ مضمون: قصیدہ بردہ کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ۔ مصنف ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔ مشمولہ نوائے ادب، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء

۸۳ قصیدہ بردہ شریف: مترجم اردو۔ محمد فیاض الدین نظامی، بہزاد دکن۔ ص نمبر ۴، مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۸۴ اردو میں قصیدہ نگاری۔ مصنف ڈاکٹر ابومحمد سحر۔ مطبوعہ الواعظ پریس لکھنؤ۔ ۱۹۵۸ء ص نمبر ۵۰

۸۵ ترجمہ قصیدہ بردہ۔ مخطوطہ نمبر ۳۹۱ مصنف محمد بن رضا۔ تاریخ تصنیف۔ ۱۱۲۰ھ۔ مخزونہ سالار جنگ میوزیم۔ حیدرآباد

۸۶ قصیدہ بردہ شریف: مترجم اردو۔ محمد فیاض الدین نظامی، بہزاد دکن۔ مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۸۷ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات۔ مصنف ڈاکٹر حامد اللہ ندوی۔ مطبوعہ اے ون آفسیٹ پرنٹرز۔ نئی دہلی۔ ۱۹۹۰ء ص نمبر ۱۸۴

۸۸ اردو ترجمہ قصیدہ بردہ۔ مخطوطہ نمبر ۹۳۳۔ مخزونہ ممبئی یونیورسٹی۔ فورٹ۔

۸۹ اردو ترجمہ قصیدہ بردہ۔ از محمد یوسف کھکھٹے (مخطوطہ) ممبئی یونیورسٹی۔ فورٹ۔

۹۰ بمبئی میں اردو۔ مصنفہ ڈاکٹر میمونہ دلوی مطبوعہ۔ آج پریس بمبئی۔ ۱۹۷۰ء ص نمبر ۶۵

۹۱ مضمون: اقبال چند عاشقان رسولؐ کے حضور میں۔ مضمون نگار ڈاکٹر محمد ریاض۔ تہران۔ بشمولہ رسالہ نقوش۔ اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء لاہور۔ ص نمبر ۱۰۷

۹۲ مضمون: اقبال چند عاشقان رسولؐ کے حضور میں۔ مضمون نگار ڈاکٹر محمد ریاض۔ تہران۔ بشمولہ رسالہ نقوش۔ اقبال نمبر (شمارہ نمبر ۱۲۱) ستمبر ۱۹۷۷ء لاہور۔ ص نمبر ۱۰۷

۹۳ مضمون: اقبال چند عاشقان رسولؐ کے حضور میں

۹۴ مضمون: قصیدہ بردہ کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ۔ مصنف ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔ بشمولہ نوائے ادب، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء

۹۵ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف...... از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ مطبوعہ اسلامک پبلشر ۲۰۰۳ء

۹۶ کشفِ بردہ۔ مرتبہ: نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی۔ مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۰۰۵ء۔ ص نمبر ۱۴۷

۹۷ ایضاً ص نمبر ۱۴۷

۹۸ بمبئی میں اردو۔ مصنفہ ڈاکٹر میمونہ دلوی۔ ص نمبر ۹۳

۹۹ ایضاً ص نمبر ۹۴

۱۰۰ کشفِ بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۴۲۰

۱۰۱ مضمون: قصیدہ بردہ کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مصنف ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔ بشمولہ نوائے ادب، ص نمبر ۴۸

۱۰۲ ایضاً

۱۰۳ ایضاً

۱۰۴ ایضاً

۱۰۵ ایضاً

۱۰۶ کشفِ بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۴۰۲

۱۰۷ ایضاً

۱۰۸ ایضاً

۱۰۹ مضمون: منظوم ترجے کا عمل۔ مضمون نگار: عنوان چشتی۔ بشمولہ نوائے ادب ممبئی۔ سہ ماہی جون ۱۹۷۴ء جلد ۲۴۔ شمارہ۔ ۱۔ ص نمبر ۵۵

۱۱۰ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف...... از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ ص نمبر ۲۳

۱۱۱ ایضاً

۱۱۲ کشفِ بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۱۷۸

۱۱۳ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف...... از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ ص نمبر ۴۷

RekhtaDownload.com

۱۱۴ کشفِ بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۲۳۳

۱۱۵ ایضاً ۲۳۳

۱۱۶ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف......از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ ص نمبر ۱۴۴

۱۱۷ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف......از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ۔ ص نمبر ۱۴۷

۱۱۸ فارس کے شہنشاہ نوشیروان نے کثیر دولت صرف کر کے یہ مشہور محل بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر نوے برس میں ہوئی تھی۔ اس کے بائیس مینارے تھے چودہ میناروں کے گر جانے اور آٹھ باقی رہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب ساسانی خاندان کے صرف آٹھ حکمراں ہی فارس پر حکمرانی کر پائیں گے۔ چنانچہ اس سلطنت کے آخری بادشاہ یزدگرد بن شہریار کے عہد حکومت میں حضرت عمر فاروقؓ نے ایران پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

۱۱۹ نوشیرواں نے دریائے فرات پر پل بنا کر بڑی عالیشان عمارتیں اور کلیسا یہاں بنوائے تھے۔ لیکن ولادت نبویؐ کے وقت دریائے فرات اپنا راستہ بھول کر کوفہ اور دمشق کے درمیان ایک صحرا میں جا گرا۔ یعنی خشک ہو گیا۔

۱۲۰ آتش کدۂ فارس جسے اصطخر نے زرتشت کی تحریک پر ایک ہزار سال پہلے روشن کیا تھا دفعتاً یہ آتش کدۂ مجوس بجھ گیا۔

۱۲۱ ''ساوہ'' نامی شہر ہمدان اور رے کے درمیان فارس کے علاقے میں تھا۔ یہاں ''بحیرۂ ساوہ'' نامی ایک بہت بڑی جھیل تھی اور اس میں کشتیاں چلتی تھیں جن کے ذریعے لوگ ساحلی علاقوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ اس کا پانی بہت لطیف تھا اور اس کے اردگرد مجوسی آتش پرستوں کے عبادت خانے قائم تھے۔ حضورؐ کی ولادت ہوئی تو یہاں کا پانی بھی خشک ہو گیا کیوں کہ یہ مقام خاص مرکز کفر تھا اور آپؐ کی ذات پاک کفر کو مٹانے والی تھی مگر ساوہ شہر اب بھی باقی ہے۔

۱۲۲ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد شیطان کی رسائی ساتویں آسمان کے بجائے چوتھے آسمان تک رہ گئی اگر وہ ان چار آسمانوں سے آگے بڑھتے تو فرشتے انھیں آگ کے دہکتے شعلوں سے مار بھگاتے تھے اسے حفظ اسماء کے ذریعے رجم کرنا کہتے ہیں۔ انھیں عربی میں شہاب ثاقب اور اردو میں ستارہ ٹوٹنا کہتے ہیں۔ اس کا (رجم) کا ذکر قرآن کرم میں بھی ہے۔

۱۲۳ ابرہۃ الاشرم یمن کا بادشاہ تھا۔ اور وہ کعبۃ اللہ ڈھانے کی نیت سے آیا تھا۔ ابرہہ کے حملے سے قریش فکر مند تھے کیوں کہ وہ ایک بہادر اور جری لشکر لے کر آیا تھا جو ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا اور قریش مٹھی بھر تعداد میں، اور تہی دست تھے۔ ان کے سردار عبدالمطلب نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ قادر مطلق نے سمندر کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کی فوج بھیجی جن کی چنگلوں اور چونچوں میں مسور کے برابر کنکریاں تھیں ان پرندوں نے ابرہہ کے لشکر پر سنگ باری کی کہ اس عذاب الٰہی کی تاب نہ لاکر پوری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ واقعہ قصہ فیل کے نام سے مشہور ہے اور قرآن پاک میں سورہ فیل اسی واقع کو بیان کرتی ہے۔

۱۲۴ حوت: بڑی مچھلی۔ وھیل

۱۲۵ کشف بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۲۴۹

۱۲۶ عرم: سیل عرم کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ ملکہ سبا بن شحب نے شہر مآرب یا شہر سبا بسایا تھا۔ یہ شہر یمن میں شہر صنعاء سے تین چار روز کے فاصلے پر تھا۔ ملکہ سبا نے ستر نہریں کھدوا کر برسات کے پانی کو وہاں اکٹھا کرنے کا انتظام کیا تھا۔ اور اس جمع شدہ پانی کو روکنے اور ذخیرہ کرنے کے لیے اس نے دو پہاڑوں کے درمیان مضبوط بند بنوایا تھا جسے عرم سدِ مآرب کہتے تھے۔ اس بند کی وجہ سے وہاں کھیتوں اور باغات کی کثرت ہوگئی تھی۔ قدرتی طور پر یہ شہر صاف ستھرا اور پاکیزہ تھا۔ لیکن یہاں کے باشندے ناشکرے اور سرکش تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں نہیں سنیں اور ایمان نہ لائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر اندھے چوہے مسلط کر دیے۔ جنھوں نے اس بند میں سوراخ کر دیے جس سے وہ بند ٹوٹ گیا اور ایسا زبردست سیلاب آیا کہ سب اسی میں غرق ہوگئے۔ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں سورہ سبا۔ آیت ۱۵ تا ۱۷ اور پارہ نمبر ۲۲ میں ہے

۱۲۷ کشف بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۲۶۹

۱۲۸ کشف بردہ۔ از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۲۴۸

۱۲۹ عاد ایک قوم کا نام ہے۔ جس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تھا۔

۱۳۰ شداد فراعنہ بادشاہ تھا جس نے جنت کی تعریف سننے کے بعد ملک عدن کے پاس ایک ایسی ہی عمارت بنوائی اور اس کا نام ارم رکھا تھا۔

۱۳۱ مَرکب: (مَ رْکَب) وہ شے جس پر سوار ہوں۔ یعنی سواری

۱۳۲ اقصیٰ: مسجد اقصیٰ و مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے مختصر حصے میں رسول اللہؐ تشریف لے گئے تھے۔

۱۳۳ قاب قوسین: دو کمانوں کا فاصلہ۔ یہ عرب کا محاورہ ہے۔ یعنی جب دو امیر یا بادشاہ باہم صلح و معاہدہ کرتے تو ہر ایک اپنی کمان کا گوشہ دوسرے کی کمان کے گوشے سے ملا دیا کرتا تھا۔

۱۳۴ حُنَین: مکہ مکرمہ سے شمال مشرق کی جانب اٹھارہ بیس کلومیٹر کی دوری پر ایک وادی کا نام ہے۔ غزوہ حنین ماہ شوال میں ۸ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں رسول پاکؐ نے مٹھی بھر خاک اور کنکریاں لے کر کافروں کے لشکر پر پھینکیں اور فرمایا: "شاھتِ الوُجوہ" (یہ چہرے بگڑ جائیں) کافروں کے اوپر خاک پڑتے ہی میدان سے ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ مسلمانوں کو فتح کے ساتھ سارا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

۱۳۵ بدر: مدینہ منورہ سے اسّی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بیضوی شکل کا ایک میدان ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ غزوۂ بدر ۱۷ر رمضان المبارک ۲ھ میں ہوا تھا۔ اس جنگ میں دشمنوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اور کل چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے "یوم الفرقان" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ حق و باطل کے درمیان فرق معلوم ہوا اور سب کو پتہ چل گیا کہ حق کا علمبردار کون ہے۔

۱۳۶ اُحُد: مدینہ منورہ سے قریب تین میل کی دوری پر پہاڑ ہے جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ غزوۂ احد شوال ۳ھ میں ہوا تھا۔ اس جنگ میں کفار کے حملے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خون آلود ہو گیا اور ایک پتھر لگنے سے سامنے کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا زبردست جانی نقصان ہوا تھا۔ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ اس کے باوجود صحابہ اور اسلامی لشکر کے بہادروں نے خوب خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور کفار و مشرکین پر اپنی شجاعت اور جواں مردی کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ احد کے غار میں رسول پاکؐ نے دندان مبارک کی شہادت کے بعد آرام فرمایا تھا۔

۱۳۷ کشف بردہ: از نفیس احمد مصباحی۔ ص نمبر ۳۹۰

۱۳۸ عرب کا مشہور سخی بادشاہ ہرم بن سنان بن حیان المری جو زہیر کے مداحی قصیدے سن سن کر اسے خوب انعام و اکرام سے نوازا کرتا تھا۔

۱۳۹ بان: ایک عربی درخت کا نام ہے جو نہایت حسین وجمیل اور پرکشش ہوتا ہے۔ عربی شعرا عموماً حسینوں کے قامتِ زیبا کو حسن و دل کشی میں اس سے تشبیہ دیتے ہیں جس طرح فارسی اور اردو زبان کے شعرا اپنے محبوب کے قد و قامت کو "سرو" کے درخت کی تشبیہ دیتے ہیں۔

۱۴۰ حدی: (حادی) مخصوص گانوں اور راگوں کے ذریعے اونٹ کو ہنکانے والا۔ گانے والے شتربان کو حدی خواں اور اس گانے اور راگ کو حدی کہتے ہیں۔

۱۴۱ اونٹوں کو تیز گام کرنا: آخری شعر میں درخت بان کی شاخیں جھومنے اور حدی خوانوں کو اپنے نغموں سے اونٹوں کو مستانہ وار چلانے کا ذکر ہے۔ عربی شاعری میں ہمیشگی اور دوام کو بتانے کے لیے مختلف تعبیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً مَا اختلفَ المَلَوَانِ (جب تک صبح و شام آتے جاتے رہیں) مَا اَنَّتَ الْحَمَامَةُ عَلٰى غُصُوْنِ الْبَانِ (جب تک کبوتری درخت بان کی شاخوں پر نغمہ سنجی کرتی رہے) مَا نَحَتْ رِيحُ صَبَا عَذَبَاتِ الْبَانِ (جب تک بادِ صبا سے بان کی شاخیں جھومتی رہیں۔) مَا اَطْرَبَ الْعِيس حَادِي الْعِيس بِه نَغْمِه (جب تک حدی خواں اپنے نغموں سے اونٹوں کو مستانہ وار چلاتے رہیں) اردو زبان میں بھی اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں جو ہمیشگی اور دوام کو بتانے میں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً: جب تک چاند سورج نکلتے رہیں۔ یا قیامت تک یا رہتی دنیا تک وغیرہ وغیرہ۔

اشارات

ذی سلم : مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

کاظمہ : بحرین اور بصرہ کے درمیان ایک ساحلی راستہ جس کے اطراف کی وادیاں خوشگوار موسم، شیریں پانی، پرکشش اور خوبصورت مناظر کے لیے مشہور ہیں۔ عربی شعرانے اپنے اشعار میں اس مقام کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔

اضم : مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے اور اس وادی میں ایک پہاڑ ہے اسے بھی اضم کہتے ہیں۔

ذی سلم، کاظمی اور اضم مدینہ طیبہ کے قریب تین مقامات کے نام ہیں اور ان اشعار میں یہی نام لینا زیادہ مناسب ہے۔

ابرہہ : ملک یمن کا حکمران جس کے لشکر کو ابابیل کے جھنڈ نے کنکریوں سے تباہ کر دیا تھا۔ ابرہۃ الاشرم ایک بہادر لشکر کے ساتھ کعبۃ اللہ کو ڈھانے کی نیت سے آیا تھا۔

کنکر : یہ معجزہ جنگ بدر اور حنین میں واقع ہوا تھا۔ جنگ بدر کے دن کافروں کا لشکر جرار پوری تیاری اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر کفارِ قریش پر پھینکیں۔ اس ایک مشت کنکریوں نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی سے ہمکنار کر دیا۔

بان : ایک عربی درخت کا نام ہے۔ جو نہایت خوبصورت اور پرکشش ہوتا ہے۔ عربی شعرا عموماً حسینوں کے قامت زیبا کو اسی سے تشبیہ دیتے ہیں جس طرح فاسی اور اردو کے شعرا انھیں ''سرو'' سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ہرم : ہرم بن سینان بن حیان المری عرب کا ایک مشہور اور سخی بادشاہ تھا۔

زہیر : زہیر بن ابی سلمٰی جاہلی شعرا میں انتہائی بلند حیثیت کا مالک تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دورِ جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر زہیر بن ابی سلمٰی تھا اور دورِ اسلام کے سب سے بڑے شاعر اس کے بیٹے حضرت کعب رضی اللہ عنہ (صاحب قصیدۂ بانت سعاد) اور بجیر تھے۔

کتابیات

ذیل میں صرف ان کتابوں، رسالوں اور اخبارات کی فہرست پیش کی گئی ہے جن کا مطالعہ خصوصیت کے ساتھ اس تحقیقی مقالے کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ اور جہاں بھی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ان کے مواد سے استفادہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ آب حیات۔ مولوی محمد حسین، نولکشور پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۰۷ء

۲۔ آکسفورڈ بولڈوین لائبریری۔ مرتبہ سکاؤ اینڈ ریلیے، جلد دوم، ۱۹۳۰ء

۳۔ آب کوثر۔ شیخ محمد اکرام، مرکنٹائل پریس، لاہور، بار دوم، ۱۹۵۸ء

۴۔ آمدن نامہ۔ مولفہ سید عبدالفتاح، مطبع فتح الکریم ممبئی، ۱۸۹۱ء

۵۔ اذکار ابرار۔ ترجمہ گلزار ابرار، مصنف غوثی حسن

۶۔ اردو قصیدہ بردہ۔ مترجمہ عبداللہ ہلال صدیقی، باب الاسلام پریس کراچی، بار سوم، ۱۹۷۵ء

۷۔ اردو شہ پارے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد ۱۹۲۹ء

۸۔ اردو میں قصیدہ نگاری۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، صفدر پریس لکھنؤ، ۱۹۷۲ء

۹۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر محمود الٰہی، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی بار اوّل، ۱۹۸۶ء

۱۰۔ اشرف الانشاء۔ مولانا مفتی سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبع حیدری، بمبئی، ۱۸۷۱ء

۱۱۔ اے لٹریری ہسٹری آف دی عرب (انگلش)۔ آر۔ اے۔ نکلسن، ساجد علی، دہلی، ۱۹۹۶ء

۱۲۔ بردہ مدحت۔ نفیس احمد مصباحی، مطبع بھارت آفسیٹ، دہلی، ۲۰۰۴ء

۱۳۔ بردۃ المبارکہ۔ نامعلوم، مکتبہ اشاعت الاسلام، دہلی

۱۴۔ بمبئی میں اردو۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی، آج پریس، ممبئی، بار اول، ۱۹۷۰ء

۱۵۔ بمبئی گزیٹر۔ جلد سولہویں، اگست ۱۸۸۳ء

۱۶۔ بہارستان سخن المعروف کاشف الحقائق۔ سید امداد صابری

۱۷۔ بیاض سخن۔ مولفہ عبدالشکور شیدا، مطبع زندہ طلسمات مشن پریس، حیدرآباد، ۱۳۰۵ھ

۱۸۔ تاریخ الاولیاء۔ سید امام الدین احمد، در مطبع مرغوب شہر بمبئی، ۱۲۹۱ء

۱۹۔ تذکرہ اولیائے دکن۔ عبدالجبار خاں ملکاپوری، جلد سوم

۲۰۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ میر حسن دہلوی، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۴۰ء

۲۱۔ تمدن عرب۔ احسان الحق، اتحاد پریس لاہور، نقش ثانی، ۱۹۵۶ء

۲۲۔ تذکرہ علمائے حال، مولوی محمد ادریس نگرامی، مطبع نولکشور، بار اول، ۱۸۹۷ء

۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی صاحب، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۹۱۴ء
۲۴۔ تذکرہ طبقات شعراء۔ قدرت اللہ شوق، مرتبہ نثار احمد فاروقی، مطبوعہ عالیہ لاہور، ۱۹۶۸ء
۲۵۔ تذکرہ مخطوطات (جلد دوم)۔ محی الدین قادری زورؔ، ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۵۱ء
۲۶۔ جواہر سخن۔ مولوی محمد مبین چڑیا کوٹی، مطبع ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۳ء
۲۷۔ جامع الفتاویٰ۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبع فتح کریمی، بمبئی، ۱۳۰۳ھ
۲۸۔ خمخانہ جاوید (حصہ اول)۔ لالہ سری رام صاحب، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء
۲۹۔ خطوط اقبال۔ رفیع الدین ہاشمی، جے کے آفسیٹ پریس، دہلی، ۱۹۷۷ء
۳۰۔ دستور الفصاحت، حکیم سید احمد علی خاں یکتا، ہندوستان پریس، رامپور، ۱۹۴۳ء
۳۱۔ رودِ کوثر۔ شیخ محمد اکرام، مرکنٹائل پریس، لاہور، بار دوم، ۱۹۵۸ء
۳۲۔ ریاض الفصحا۔ تالیف غلام ہمدانی مصحفی، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد)، ۱۹۳۴ء
۳۳۔ شعرائے اردو۔ ڈاکٹر اے حمید، فیروز سنز،
۳۴۔ شعر الہند (حصہ دوم)۔ مولانا عبدالسلام ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء
۳۵۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف۔ شارح علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، اسلامک پبلشر، ۲۰۰۳ء
۳۶۔ عربی فارسی و اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست۔ کتب خانہ احمد آباد
۳۷۔ عربی ادب۔ علی احمد رفعت، اشرف پریس لاہور، جنوری ۱۹۶۲ء
۳۸۔ عربی ادب کی تاریخ۔ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی، جے کے آفسیٹ پرنٹرز، دہلی۔ پہلا ایڈیشن، ۱۹۷۹ء
۳۹۔ عرب زبان و ادب (ایک تاریخی مطالعہ)، خالد حامدی، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی۔ طبع اول، ۱۹۸۶ء
۴۰۔ عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور۔ میر محمد خاں بہادر سرور، ادبی پرنٹنگ پریس، بمبئی
۴۱۔ قاموس المشاہیر، نظامی بدایونی، نظام پریس، بدایوں، ۱۹۲۴ء
۴۲۔ قاموس الکتاب اردو۔ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ۱۹۶۱ء
۴۳۔ سرسید کا سفرنامہ۔ مسافران لندن، اصغر عباس، لیتھوکلر آفسیٹ پریس، علی گڑھ، ۲۰۰۹ء
۴۴۔ قصیدہ بردہ۔ باشرح دکھنی، مترجم سید محمد
۴۵۔ قصیدہ بردہ مترجم۔ مولانا مخدومنا حافظ عبدالاحد، مطبع عزیزی معروف بامحمدی، دہلی، ۱۸۹۶ء
۴۶۔ قصیدہ بردہ شریف، فارسی ترجمہ عبدالرحمان جامی، اردو ترجمہ محمد فیاض الدین نظامی، حیدر آباد، ۱۹۶۹ء

۴۷۔ قصیدہ بردہ، محمد عبدالمجید، کانپور مجیدی پریس، کلکتہ، ۱۹۲۰ء
۴۸۔ کتاب اول فارسی آموز، سید عبدالفتاح عرف مفتی اشرف علی گلشن آبادی، مطبع فتح الکریمی، بار اول، ۱۸۸۱ء
۴۹۔ کتاب دوم اصول زبان فارسی، مولوی سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبع فتح الکریمی، بمبئی، ۱۸۸۱ء
۵۰۔ کتاب سیوم۔ مولوی سید عبدالفتاح، مطبع فتح الکریمی، بمبئی، ۱۸۸۱ء
۵۱۔ کتاب چہارم فارسی آموز۔ سید عبدالفتاح، مطبع فتح الکریمی، بمبئی، ۱۸۸۵ء
۵۲۔ کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات جلد اول، دوم۔ نصیرالدین ہاشمی، اعجاز مشن پریس، حیدرآباد، ۱۹۶۱ء
۵۳۔ کتب خانہ جامعہ مسجد کے اردو مخطوطات۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، اے۔ ون آفسیٹ پرنٹرز، دہلی، ۱۹۹۰ء
۵۴۔ کشف بردہ۔ نفیس احمد مصباحی، ناشر المجمع القادری مبارک پور، اعظم گڑھ، ۲۰۰۵ء
۵۵۔ کلید دانش۔ مولفہ سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مطبع فتح الکریمی، بمبئی، ۱۳۰۱ھ
۵۶۔ گلزار صادق۔ مولوی سید بشیرالدین احمد نقوی پیرزادہ گلشن آبادی، ۱۳۱۸ء
۵۷۔ گلشن بے خار۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ، نولکشور، لکھنؤ، اکتوبر ۱۸۷۴ء
۵۸۔ گلشن گفتار۔ خواجہ حمید اورنگ آبادی، مطبوعہ خورشید پریس
۵۹۔ گلشن ہند۔ مرزا علی متخلص لطفؔ، مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس، ۱۹۰۶ء
۶۰۔ گزیٹر آف بمبئی۔ چودھویں جلد۔ مسٹر جیمز ایم کیمبل
۶۱۔ گلشن صادق، جلد اول۔ میر وارث علی ابن میر ہدایت علی پیرزادہ گلشن آبادی، نورانی فائن آرٹ پریس، مالیگاؤں، ۱۹۸۱ء
۶۲۔ مطبوعات و مخطوطات عربی، فارسی و اردو۔ شیخ عبدالقادر سرفراز، ۱۹۳۵ء
۶۳۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو (پاکستان)۔ مرتبہ سرفراز علی رضوی، اشاعت اول، ۱۹۶۷ء
۶۴۔ مجموعہ نغز یعنی تذکرہ شعرائے اردو۔ مرتبہ محمود شیرانی، مطبع پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء
۶۵۔ مضامین ڈار۔ ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی، ماروتی آفسیٹ پرنٹرز
۶۶۔ مرقع سخن۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد۔ جلد دوم، ۱۹۳۷ء
۶۷۔ موج کوثر۔ شیخ محمد اکرام، مرکنٹائل پریس، لاہور۔ بار دوم، ۱۹۵۸ء
۶۸۔ وردہ شمیمہ عربی۔ اردو ترجمہ از محمد اسد اللہ حسین قادری، مطبع الجنتہ العلمیہ حیدرآباد، ۱۹۲۶ء
۶۹۔ وشی البردہ۔ شیخ عبدعلی، مطبع محمدی، بمبئی، ۱۳۲۳ھ
۷۰۔ یورپ میں دکھنی مخطوطات۔ مولفہ نصیرالدین ہاشمی، شمس المطابع، حیدرآباد، ۱۹۳۲ء

رسائل واخبارات

۱۔ رسالہ مدینہ ڈائجسٹ، رحمت العالمین نمبر، مدیر: ابن حسن، دہلی، جولائی ۱۹۶۹ء،
۲۔ رسالہ اردو، جنوری تا اکتوبر ۱۹۳۴ء
۳۔ رسالہ اردو (گجرات کے قدیم شعرا) ۱۹۵۷ء
۴۔ رسالہ برہان، دہلی، مارچ ۱۹۵۷ء
۵۔ رسالہ معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۔ ڈائجسٹ سیارہ، اقبال نمبر فروری، مارچ ۱۹۷۸ء
۷۔ رسالہ نقوش
۸۔ نوائے ادب، سہ ماہی، جنوری ۱۹۷۴ء
۹۔ نوائے ادب، سہ ماہی، جولائی تا ستمبر ۱۹۴۹ء
۱۰۔ نوائے ادب، سہ ماہی، اپریل ۱۹۷۵ء
۱۱۔ نوائے ادب، سہ ماہی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء

☆☆☆

RekhtaDownload.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ و رسولہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

اما بعد فقیر حقیر خاکسار سید عبدالفتاح عرف سید اشرف علی ابن سید ... الحسینی القادری پیرزادہ گلشن آبادی عرف ناسک مدرس عربی و فارسی مدرسہ انگلشن کالیج بمبئی عرض کرتا ہے کہ علم جغرافیہ میں اکثر عربی فارسی و ہندوستانی کتابیں مطالعہ میں آئیں مگر فی الحال انگریزی میں علم جغرافیہ بنہایت تحقیق سے لکھا گیا ہے لہذا ہندوستانی مدرسوں کے طالب علموں کے واسطے اسکا باختصار ترجمہ کرکے خلاصہ سب مطالب کا اس رسالے میں جمع کیا اور نام اسکا خلاصہ علم جغرافیہ رکھا جناب عالیشان رفیع المکان فیض رسان ہنرمندان ناو خدا محمد علی صاحب روگھے خلف الرشید مرحوم ناو خدا محمد حسین صاحب روگھے ضاعف اللہ اجرہما فی الدنیا والآخرۃ کی متابعی عنایات سے مطبوع ہوا توقع علمائے زمان اور فضلائے دوران سے یہ ہے کہ اگر کہیں خطا پاویں اصلاح عطا فرماویں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب اس کتاب میں ایک مقدمہ اور ... باب اور ایک خاتمہ مقرر کیا ہے

مقدمہ

ناو خدا محمد صاحب روگھے نے مولوی عبدالفتاح کی کئی کتابوں کی اشاعت میں ان کی مدد کی تھی۔ اسی کا ذکر ایک کتاب کے مندرجہ بالا مقدمے میں درج ہے۔

امام بوصیری کے مزار پر منقوش قصیدہ بردہ کے چند اشعار

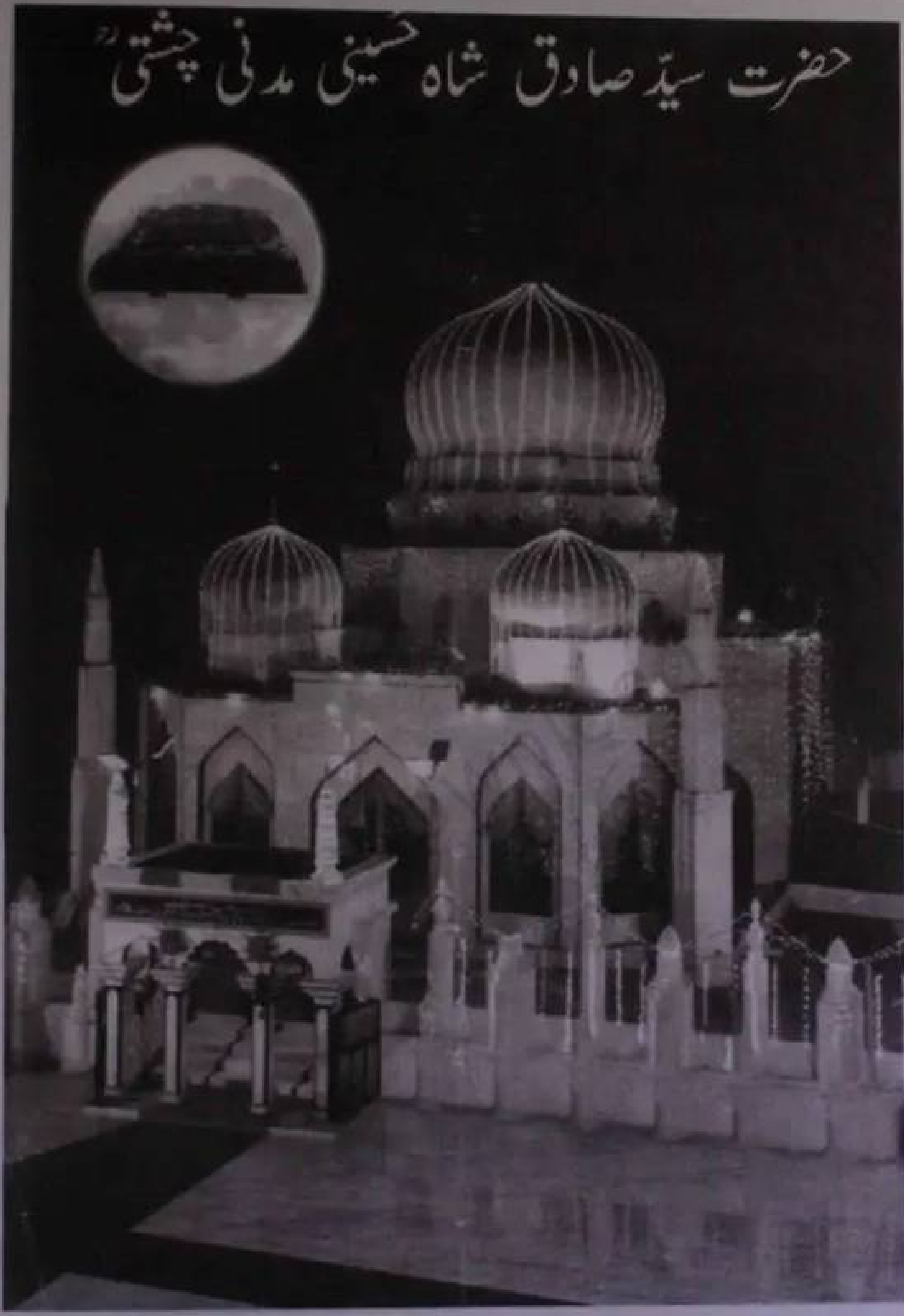

مولوی عبدالفتاح کے جدِ امجد کا مزار (بڑی درگاہ) ناسک

ڈاکٹر سعیدہ اختر پٹیل کے والد مرحوم گوہر خاں صاحب ''دارالسرور'' رام پور سے ہجرت کر کے ضلع تھانہ کے ایک صنعتی شہر کلیان میں آبسے۔ وہیں ۲۸؍جون ۱۹۵۴ء کو ڈاکٹر سعیدہ اختر پیدا ہوئیں اور یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر ممبئی کا رخ کیا۔ مہاراشٹر کالج سے بی۔اے۔ اور ممبئی یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ ۱۹۸۶ء میں یو جی سی کا امتحان JRF میں ٹاپ کیا اور اسکالرشپ کی حقدار ٹھہریں۔ ممبئی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی تحقیق کا موضوع ''مہاراشٹر کی اردو مثنویاں'' تھا۔ یو جی سی کی دوسری اسکالرشپ انھیں ۱۹۹۷ء میں ملی جس کے تحت انھوں نے اپنا دوسرا پروجیکٹ ''فارسی ادب بعہدِ مراٹھا حکمراں'' مکمل کیا یہ ایک ٹیم ورک تھا۔ انھیں ایک پروجیکٹ کے لیے مہاتما گاندھی ریسرچ سینٹر، ممبئی نے بھی نامزد کیا تھا۔ تیسری اسکالرشپ انھیں ڈپارٹمنٹ آف کلچر، حکومتِ دہلی سے حاصل ہوئی جس کے تحت انھوں نے اپنا تیسرا پروجیکٹ ''اردو ڈرامہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' مکمل کیا۔

ان کے کئی تحقیقی و تنقیدی مقالے گراں قدر ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ایک مخلص، علمی اور تحقیقی مزاج داں خاتون ہیں۔ فی الحال وہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔